دیپک

ایک مظلوم دوشیزہ کے سچے جذبوں کی رُوداد
اُسے زندہ جلایا جانے والا تھا



شمیم نوید

پیش لفظ

دنیا کی دیگر زبانوں کی طرح ہندی زبان میں بھی متعدد بہترین اور خوب صورت ناول لکھے
لئے ہیں۔ ایسے ناول ہمارے مطالعے میں بھی رہے ہیں۔ طبع زاد ناولوں اور کہانیوں کے علاوہ ہم نے دنیا
ں دوسری زبانوں سے بھی ناول اور کہانیاں' اردو زبان کے قالب میں منتقل کی ہیں۔ زیر نظر ناول "
پک" بھی ایسے ہی انوکھے اور دلچسپ ناولوں میں سے ایک ہے۔

یہ ناول ہندی زبان کے ایک مقبول مصنف رانو کی تخلیق ہے جن کا انتقال ہو چکا ہے۔ ہم
نے رانوں کے اسی ناول کو اردو کا پیرہن دیا ہے۔

ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ دیگر زبانوں کے شاہکار اگر اردو میں منتقل کئے جائیں تو یہ اردو زبان
خدمت ہی ہوگی۔ اس سے ہماری زبان کے دامن میں وسعت پیدا ہوگی۔ ہم نے اسی کو مد نظر
تے ہوئے اس بے مثل رومانی ناول کو اردو زبان میں ڈھالا ہے۔ ایسا کرتے ہوئے ہم نے دانستہ
ں کے اصل خدوخال کو برقرار رکھا ہے اور اس ناول کی فضا کو ٹھیس نہیں پہنچائی۔ ناول کی فضا اور
دل ہندوستان ہی کے پس منظر میں ہے۔ یہی دیانت کا تقاضا بھی تھا۔ ہاں ہم نے اس ناول کا نام
رور بدل دیا ہے کہ ہمارے خیال میں اس کی ضرورت تھی۔

ہمیں یقین ہے کہ یہ ناول "دیپک" آپ کے ذوق مطالعہ کی تسکین کا باعث ہوگا۔

کتابی صورت میں اس کی پاکستان میں اشاعت کا سہرا پہلی بار برادر عزیز مبین خٹک کے سر
، ہمیں امید ہے ہمارے دیگر ناولوں کی طرح یہ رومانی و جذباتی ناول بھی آپ پسند کریں گے۔

طالب دعا

شمیم نوید

آہستہ آہستہ بنارس کی صبح اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ دھند لکا پہلے ہی رخصت ہو چکا تھا وہ گھاٹ کے ایک پتھر پر کنارے بیٹھا' پانی کی سطح کے اس پار سورج کی کرنوں کو ابھرتے دیکھ رہا تھا۔ ریت کے ذرے شیشے کے مہین ٹکڑوں کی طرح چمک رہے تھے۔ پانی کی سطح پر گویا دھلی ہوئی چاندنی کا سایہ تھا۔ دور دور تک دریائے گنگا کے وسیع سینے پر چھوٹی چھوٹی لہریں ابھر رہی تھیں۔ جس مقام پر وہ بیٹھا تھا' ایک چوڑا ستون پانی میں ابھرا ہوا تھا۔ اس کے پیچھے ایک قطار میں دور تک پتھریلے گھاٹ بنارس کی قدیم تہذیب کی نشان دہی کر رہے تھے۔ ان کی سیڑھیاں نیچے سے ایسی دکھائی دیتی تھیں جیسے آسمان کو چھو رہی ہوں۔ اوپر سے یوں نظر آتیں جیسے زمین کی گود میں چھپ جانا چاہتی ہوں۔ سورج ابھی پوری طرح طلوع نہیں ہوا تھا تاہم چاروں طرف کافی روشنی تھی۔ فضا خنک اور خوش گوار تھی۔

مندر میں گجر بج اٹھے تھے گھنٹیاں بجنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ آس پاس تختوں اور چوکیوں پر بیٹھے پجاریوں کے کیرتن سے گھاٹ کا سماں روح پرور ہو چلا تھا۔ کشتیوں کے ملاح' مسافروں کی تلاش میں مستعد اور چوکنا تھے۔

مسافروں نے گنگا میں نہانے کے لیے ڈبکیاں لگانا شروع کر دی تھیں۔

وہ اپنی جگہ بیٹھا بے چینی سے ادھر ادھر نظریں دوڑا رہا تھا۔ پہلی ہی کرن پر وہ سورج کو خوش آمدید کہہ چکا تھا۔ اس کے پیر نیچے لٹکے ہوئے تھے جہاں پانی کی سطح تلووں کو چھو رہی تھی۔ اس کی مضطرب آنکھوں میں کسی کے انتظار کا رنگ مچل رہا تھا۔ بار بار گھڑی پر نظریں پڑنے سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اس کا دل بھی بے قرار ہے۔ گردن اٹھا کر وہ شمال کی سمت میں گھاٹ پر دور تک نظریں دوڑاتا۔ شاید اس کی آنکھیں کسی کے دیدار کی پیاسی تھیں، لیکن ہر مرتبہ اسے ناکامی سے دو چار ہونا پڑا۔ یہاں تک کہ روشنی میں تپش سی آگئی۔ سورج پوری طرح طلوع ہو کر سطح آب پر تیرنے لگا۔

جانے کتنے مسافر آئے اور چلے بھی گئے! صبح صادق کی خاموشی شور و غل میں تبدیل ہو گئی۔ سات، آٹھ اور پھر جب نو بج گئے تو اس نے سوچا، اب شاید وہ نہیں آئے گی۔ جسم کو کاٹتی چلچلاتی دھوپ کو چھوڑ کر وہ پیچھے ہٹ آیا، سیڑھیاں طے کیں اور اوپر چبوترے پر ایک پتھریلی چھتری کے نیچے بیٹھ گیا۔

وہ صبح اور اسی صبح کی پہلی کرن ایک دن اس کے دل میں کتنی ساری روشنی لے کر آئی تھی۔ دیپک کی سونی زندگی میں گویا بہار سمٹ کر چلی آئی تھی۔ اس روز بھی وہ اسی جگہ پر بیٹھا ہوا تھا، گنگا کے کنارے، ہنومان گھاٹ پر، گول چوڑے ستون کے قریب، پیروں کو نیچے کی طرف لٹکائے، پانی کی طرح پر اس کے پیروں کا سایہ دھیرے دھیرے کانپ رہا تھا۔ وہ صبح بھی ایسی ہی تھی، لیکن وقت شاید پانچ بجے کا تھا۔

یہاں وہ روز ہی آتا تھا۔ یہاں آکر وہ صبح کی تازہ ہوا سے اپنے ذہن کو غسل دے کر پڑھنے میں مشغول ہو جایا کرتا تھا۔ لیکن اس دن، اس خاص دن وہ بالکل نہیں پڑھ سکا تھا۔ اب اس کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ ایک روز قبل ہی امتحان ختم ہوئے تھے۔ وہ محض بیٹھا ہوا تھا اور ماحول سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

تعلیم کے بعد اب اس کی زندگی ایک نئے مستقبل کی طرف بڑھنے والی تھی۔ اس دن وہیں بیٹھے بیٹھے اپنی جیب سے اس نے ایک بار ہار نکالا تھا۔ پیتل کے اس ہار پر سونے جیسی چمک تھی۔

قیمتی نہ ہونے کے باوجود وہ ہار انمول تھا، اس کی ماں کی آخری نشانی، آخری تحفہ! اسے اپنے پاس رکھ کر وہ ایک روحانی تسکین حاصل کرتا تھا۔ اس نے ہار کو چوما اور پھر آنکھوں سے لگا لیا۔ یہ ہار اسے اس کی ماں نے دیا تھا۔ جب وہ بہت چھوٹا تھا تو مفلسی کا شکار ہو کر اس کے باپ نے مناسب علاج نہ ہونے کی وجہ سے جان دے دی تھی۔ اس کے علاج کی خاطر دیپک کی ماں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی گھر کے برتن تک بیچ دیئے، پھر وہ دوسروں کے جھوٹے برتن بھی دھونے لگی تھی۔ پھر بھی اس کا سہاگ سلامت نہ رہ سکا۔

افلاس نے اس سے سب کچھ چھین لیا۔ پھر جلد ہی وقت نے اس کے آنسو پونچھ دیئے، اسے ہمت بخشی، جسم میں زندہ رہنے کی طاقت پیدا کی۔ اسے یہ احساس ہو گیا کہ وہ اپنے معصوم بچے کے مستقبل کا سہارا ہے۔ اگر اس نے اپنے بچے کو پڑھا لکھا کر اس کے پیروں پر کھڑا نہیں کیا تو وہ بھی ایک دن ایسے ہی حالات کا شکار ہو کر کسی عورت کی مانگ کا سیندور وقت سے پہلے مٹا کر چلا جائے گا۔

میٹرک کا امتحان وہ دے چکا تھا۔ ماں نے محنت سے گھر گھر جھاڑو لگائی، برتن دھوئے اور صدق دل سے دعائیں دیں۔ اپنی ماں کی محنت کا صلہ دیپک کو مل ہی گیا میٹرک میں اسے پہلی پوزیشن ملی۔ اسی کے ساتھ اسے تین مضامین میں امتیازی نمبر حاصل ہوئے۔

دیپک کی کامیابی کے سبب آئی ایس سی میں اسے وظیفہ ملا تو ماں کے کندھوں کا بوجھ ہلکا ہو گیا جب دیپک نے دو ٹیوشن بھی کر لئے تو ماں کو محسوس ہوا کہ اب اسے زندگی کی کشتی کو دنیاوی حالات کے تھپیڑوں سے نکالنے میں زیادہ دشواریوں کا مقابلہ نہیں کرنا پڑے گا۔ آئی ایس سی بھی اس نے اول

درجے میں پاس کیا تو آرزو ہوئی وہ ڈاکٹری پڑھے لیکن ماں کی صحت کو دیکھ کر اس نے اپنا بوجھ خود ہی سنبھالنا بہتر سمجھا۔ اس نے بی ایس سی کیا، پھر ایم ایس سی میں داخلہ لے لیا۔

وہ ہمیشہ ہی وظیفے پر بھروسہ کرتا رہا تھا۔ اپنی ٹیوشن کی فیس بڑھا کر اس نے اپنی ضروریات بھی پوری کرلی تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ خوب پڑھے اور پھر زیادہ سے زیادہ کما کر اپنی ماں کے قدموں میں رکھ دے۔ ماں کو وہ اتنا آرام دے کہ پچھلے سارے دکھ بھول جائے، لیکن اس کی ساری حسرتیں دل ہی میں رہ گئیں۔

اس کی ماں کچھ دنوں سے بیمار تھی اور جیسے تیسے علاج جاری تھا۔

ایک دن جب دیپک کالج سے لوٹ کر آیا تو ماں کی حالت بہت نازک تھی۔ وہ ڈاکٹر کو بلانے کے لیے دوڑا تو ماں نے اسے روک لیا۔

"بیٹا!"

اس کی ماں نے آواز دی

اور وہ پلٹ آیا۔

ماں کا سانس اکھڑا ہوا تھا۔ ایک ہاتھ سے دیپک کے بالوں میں انگلیاں پھیر کر ماں نے دوسری مٹھی اس کی جانب بڑھا دی۔ پھر وہ کہنے لگی۔

"میں نے اپنی ساری زندگی میں تیری پرورش کے سوا کچھ نہیں کیا۔ یہ ہار تو اپنے پاس رکھ لے۔ پیتل کے اس ہار کی قیمت تو سونے سے زیادہ سمجھیو کیونکہ یہ میرے سہاگ کی نشانی ہے۔ یہ ...... یہ تیرے باپ نے مجھے شادی کی رات کو پہنایا تھا۔ اس کی حقیقت کو پوشیدہ رکھ کر انہوں نے سوچا تھا کہ آئندہ جب ان کے پاس کچھ روپے جمع ہو جائیں گے وہ چپکے سے اسے سونے کے ہار میں بدلوا دیں گے۔"

لیکن ...... لیکن میرے بچے، انہیں یہ موقع نہیں مل سکا۔ غربت کے سبب موت نے انہیں اتنی مہلت ہی نہیں دی۔ اس حقیقت کا انکشاف انہوں

نے بہت دکھ کے ساتھ اپنی موت سے چند دن پہلے اس وقت کیا جب میں نے چاہا کہ ان کے علاج کی خاطر اس امانت کو بھی ان کی نذر کردوں۔

"بیٹا! اس ...... اس ہار میں تیری ماں کی روح قید ہے، اس کی حفاظت کیجیو! جب ...... جب تو چاند سی دلہن لائے تو ہیروں کے ہار کے ساتھ اسے بھی اپنی دلہن کو پہنا دیجیو! میرے بچے! ...... میرے بیٹے! ......"

پھر ماں کو ہچکیاں آنے لگیں۔

گلی کے نکڑ پر آوارہ کتوں کے رونے کی آواز سے سارا محلہ کانپ گیا تھا اور پھر خاموشی چھا گئی تھی۔ اس خاص دن سوچتے سوچتے وہ جانے کہاں پہنچ گیا تھا پھر اسی دن اچانک ہی اس کے خیالات منتشر ہو جانے کے سبب ہاتھوں سے وہ ہار چھوٹ کر نیچے گر پڑا تھا۔ چونک کر اس نے جھپٹنا چاہا تھا، لیکن اسے دیر ہو چکی تھی۔ تب اس نے دیکھا کہ اس کے قدموں کے نیچے بے گنتی رنگین پھول مسکراتے ہوئے بہہ رہے ہیں۔ یہ پھول سیڑھیوں کے پیچھے کی جانب سے بہتے ہوئے آ رہے تھے۔

قسمت سے اس کا ہار ایک بڑے سفید گلاب پر جا کر ٹک گیا تھا۔ پھول کا بہاؤ سا رک گیا۔ اپنے پیروں کو اس نے فوراً اوپر سمیٹا۔ اوندھا لیٹ کر اس نے اپنا ایک ہاتھ نیچے لٹکایا وہ کچھ جھکا اور پھر پیتل کے ہار کو پھول سمیت اوپر اٹھا لیا۔

ہار اسے دوبارہ مل گیا تو جان میں جان آئی۔ پھر اس نے اسی طرح لیٹے لیٹے اپنی گردن کو قدرے ترچھا موڑا۔ اس کی نظریں پانی کی چھوٹی چھوٹی لہروں سے گزرتی ہوئی پیچھے گھاٹ کی سیڑھیوں پر جا کر رک گئیں۔ ٹھنڈے پانی کے نیلے عکس میں گویا سفید بجلی کو کوند کر آگ لگا رہی تھی۔ وہ پلکیں جھپکانا بھول گیا اور جسم چند ساعت کے لیے بے حرکت سا ہو گیا۔ اس نے غور سے دیکھا۔ گوری گوری پنڈلیاں پانی میں نصف ڈوبی ہوئی تھیں۔

"دیپک کی نگاہیں از خود اوپر کی طرف اٹھ گئیں۔"

تب ہی اسے اپنی آگہی پر خوابیدگی کا شبہ ہوا۔ سفید سنگ مرمر کی بے حد خوب صورت مورتی بہت عقیدت کے ساتھ عبادت گزاری میں محو تھی۔ اس کی خوب صورتی کے مقابلے میں تو بنارس کی صبح بھی شرما گئی۔ وہ قدرت کے اس مکمل شاہکار کو دیکھتا رہ گیا جو پنڈلیوں تک پانی میں سیڑھی پر کھڑی ہاتھوں کو جوڑ کر سورج مکھی کی طرح اپنا چہرہ مشرق کی طرف اٹھائے ہوئے تھی۔

کچھ سوچ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھا' دبے قدموں سے چل کر پیچھے آیا' پھر سیڑھیاں عبور کرتے ہوئے اس لڑکی کے قریب سے گزرا۔ بہت انہماک اور بہت قریب سے اس نے لڑکی کو دیکھا۔ اس کے دل میں لڑکی کی نیلی آنکھوں کا رنگ اتر گیا۔ پھر وہ آگے نکل گیا۔ وہ رکا اس لیے نہیں کہ اس گھاٹ پر زیادہ تر عورتیں ہی تھیں۔ دور ایک پتھریلی چھتری کے نیچے بیٹھ کر وہ اسے بہت دیر تک دیکھتا رہا جب تک کہ وہ لڑکی گنگا اشنان کر کے چلی نہیں گئی' اپنے راستے پر بغیر اسے دیکھے ہی' اس کے دل میں اٹھتے جوالا مکھی سے بے خبر!

اس دن کے بعد دیپک نے کئی دن تک اس لڑکی کو دیکھا تھا۔

لگاتار اور گھنٹوں!

لیکن وہ ہمیشہ ہی اس کے خیالوں سے بے پروا رہی۔ اس کی گھورتی نظروں کا لڑکی پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ وہ یہ بھی نہیں جان سکی کہ کوئی چھپ چھپ کر اس کے حسن کی پوجا کر رہا ہے' اس کے دھیان میں خود کو بھلا چکا ہے۔

اس لڑکی کے ساتھ شروع ہی سے ایک چھوٹی لڑکی آیا کرتی تھی' چھوٹی اور پیاری سی لڑکی' زندگی کی خوش آئند مسرتوں سے بے خبر! شاید وہ اس کی چھوٹی بہن تھی یا پھر اس کی کسی سہیلی کی بہن ہو' یا ممکن ہے پڑوسی ہونے کے ناتے لڑکی اسے اپنے ساتھ لے آتی ہو۔

اسے کئی دن تک مسلسل دیکھتے رہنے کے سبب ایک دن وہ چھوٹی لڑکی مسکرا دی تھی' بالکل بچوں کی طرح! پھر وہ ایک روز ٹہلتی ہوئی دیپک کے پاس بھی چلی آئی تھی۔

"کیا نام ہے تمہارا بے بی؟"

دیپک نے بہت پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"میرا۔"

"اچھا! ...... اور وہ جو سورج کو پرنام کر رہی ہیں' تمہاری بہن ہیں کیا؟"

دیپک نے دوسرا سوال کیا۔

"کون؟ ..... وہ جیوتی دیدی؟ ......
وہ تو میری پڑوسن ہیں۔"

وہ معصومیت سے ہنس دی۔

"کیا وہ پڑھتی ہیں؟"

دیپک نے بات آگے بڑھائی۔

"ہاں بی ایس سی کا امتحان دیا ہے انہوں نے۔"

میرا بہت فخر سے بولی۔

دیپک نے بھی اس کے فخر کو سراہا اور سوال کیا۔ "کہاں رہتی ہیں وہ؟"

میرا ابھی جواب دے بھی نہیں پائی تھی کہ اس کے کالج کے ساتھیوں نے اسے آ گھیرا۔

"ارے یار دیپک' تم یہاں!"

ایک طالب علم بولا۔ "کہو پرچے تو تم نے اس مرتبہ بھی بہترین کئے ہوں گے؟"

"ہاں۔"

اس نے جواب دیا' پھر سامنے دیکھا تو میرا جا چکی تھی۔ اس نے گردن اونچی کی۔ میرا اپنی دیدی سے باتوں میں مگن تھی۔ شاید میرا اس کے کسی سوال کا جواب دے رہی تھی۔

کہاں چلی گئی تھی؟

وہاں ان کے پاس؟

شاید ایسی ہی باتیں ہو رہی تھیں۔ میرا نے اس کی طرف اشارہ بھی کیا تھا۔ غالباً اسی لیے اس کی دیدی نے گردن گھما کر دیکھا بھی تھا' مگر وہ تو ساتھیوں کے درمیان گھرا ہوا تھا۔ بھلا وہ اسے اتنی بھیڑ میں کیسے دیکھ لیتی! ساتھیوں کے اس غلط موقع پر آ جانے سے وہ جھلا کر رہ گیا۔ جب تک دیپک کو ان سے چھٹکارا ملا' تو وہ میرا کے ساتھ جا چکی تھی۔ گھاٹ گھاٹ چلتے ہوئے وہ بہت دور بھیڑ میں جا کر گم ہو گئی تھی۔ نا امید ہو کر دیپک بھی لوٹ آیا تھا۔

اس رات کو وہ ایک پل بھی نہیں سو سکا تھا۔ صبح تک وہ کروٹیں بدلتا رہا۔

"جیوتی!"

یہی ایک نام وہ دہراتا رہا تھا۔

کچھ ہی دن بعد اسے محسوس ہوا کہ اس کی خاموش پوجا چیخ بن کر جیوتی کے پرسکون دل میں طوفان کی صورت ظاہر ہو رہی ہے۔ وہ چھتری کے نیچے قبل از وقت پہنچ کر جیوتی کا انتظار کرنے لگا تھا۔ وہ گھاٹ پر آتی تو میرا اسے دیکھتے ہی آہستہ سے مسکرا کر جیوتی کو ٹھوکا دیتی۔ جیوتی اس کی جانب دیکھنے کے بجائے شرم سے اپنے آپ میں سمٹ جاتی۔ اس کی نظریں جھک جاتیں اور ہونٹوں پر ایک ارتعاش سا دکھائی دیتا۔ میرا کی باتیں شاید اسے اچھی بھی لگتی تھیں۔ وہ شرماتی تو ایسا معلوم ہوتا جیسے گنگا کا سارا پانی اس کے قدموں تلے سمٹ آیا ہو۔ اسے یقین ہو گیا کہ جیوتی پانی میں آگ لگا کر اب خود بھی دھیرے دھیرے جل رہی تھی۔

پھر پرسوں رات کو اس نے جیوتی کو مختصر سا ایک خط لکھا تھا۔ اپنے تمام جذبات کو اس نے خط میں سمو دینے کی پوری کوشش کی تھی۔ اس نے لکھا تھا۔

جیوتی دیوی!

ایک عرصے سے آپ کو دور ہی سے دیکھ کر

دیکھ کر آپ کے حسن کی پوجا کر رہا ہوں۔ آپ کے نام پر میں ایک دیپک جلا کر جیوتی کی مالا جپتا رہتا ہوں' صرف ایک ہی موہوم امید پر ایک ہی لگن لیے کہ مجھے اپنی دیوی کو ایک دن بہت قریب سے دیکھنے کا موقع نصیب ہو گا۔

"کیا ایسا ممکن ہے؟"

اگر صبح ہمت نے ساتھ دیا تو یہ خط آپ تک ضرور پہنچا کر رہوں گا۔

آپ کا ایک پجاری

کل ہی کی تو بات ہے جب جیوتی سورج کی پوجا میں کھوئی ہوئی تھی تو اس نے چپکے سے میرا کو بلا کر خط دیدیا تھا۔ میرا مسکرا دی تھی' بہت نرمی سے! جیسے کم عمر ہو کر بھی وہ اس کے دل کی بے قراری کو سمجھ رہی ہو۔ وہ بولی کچھ نہیں تھی۔ خاموشی کے ساتھ وہ گھاٹ کی سیڑھی پر جیوتی کے نزدیک پہنچ گئی تھی۔

اس روز خط دینے کے بعد دیپک کا دل بہت زور سے دھڑکا تھا۔ ایک نا معلوم خوف سے اس کا دل تھر تھرا اٹھا تھا۔ اس کا اعتماد متزلزل ہو گیا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے جیوتی کے دل میں وہ کچھ بھی نہیں جو اس نے سوچ رکھا ہے۔ میرا اس سے شاید کچھ اور ہی بات کرتی ہو گی' اپنی باتیں! جیوتی سے اس کا تعلق بھی کیا ہے؟

وہ تو اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتی بھی نہیں!

اپنی غلطی پر اب وہ بار بار پچھتا رہا تھا۔ ایک انجان لڑکی کو خط لکھ کر اس نے بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے۔ اگر کوئی بات ہو گئی تو؟

میرا کا کیا ہے' وہ تو ایک بچی ہے۔ اسے تو کوئی بھی کچھ دے گا تو وہ کیوں انکار کرے گی؟

وہاں سے اب ہٹ جانے ہی میں اس نے بھلائی سمجھی۔ چلتے وقت اس

کے پیر کانپ رہے تھے۔ اس نے دور سے ایک مندر کی آڑ لی اور چھپ کر دیکھا۔ جیوتی پانی سے باہر نکلی۔ بھیگے کپڑوں میں وہ اس حصے کی طرف بڑھی جو صرف عورتوں کے لیے مخصوص تھا۔ پھر جب وہ وہاں سے باہر آئی تو اس کے بدن پر دوسری ساڑھی تھی۔ بھیگے بالوں کو سامنے چہرے پر گرا کر کچھ جھٹکتے ہوئے اس نے تولیا سے انہیں جھاڑا۔ بال خشک ہو کر کالی گھٹا کی طرح اس کے چاند سے مکھڑے پر چھا گئے۔ پھر جب انہیں کندھے پر جھٹک کر وہ چلنے کو تیار ہوئی تو میرا نے ہاتھ بڑھا کر خط اسے تھما دیا۔

”اس کا دل جیسے سینے سے باہر آنے کے لیے مچلنے لگا۔ خوف سے اس نے آنکھیں بند کر لینا چاہیں۔“

لیکن ہمت کر کے جیوتی کی طرف دیکھ ہی لیا۔

جیوتی نے وہ خط لے لیا تھا۔ پھر اس نے ادھر ادھر دیکھا بھی تھا۔ شاید وہ اسی کو ڈھونڈ رہی تھی۔ اس کا دل چاہا وہ آگے بڑھ جائے، جیوتی کے نزدیک پہنچ جائے، لیکن دل پر خوف کا اثر باقی تھا۔ جانے کیوں وہ اسے دیکھنا چاہتی ہے ؟ دیپک نے سوچا۔ ابھی تو اس نے خط بھی نہیں پڑھا تھا۔ خاموشی سے دیپک اپنی جگہ کھڑا تھا۔ چند لمحے بعد جیوتی چلی گئی، کولھوں سے نیچے تک اپنی دراز زلفوں کو ہوا میں لہراتی ہوئی! میرا اس کے ساتھ چلتی ہوئی بھی کئی بار پلٹ پلٹ کر دیکھتی رہی۔

دیپک نے ایک گہرا سانس لیا اور پھر اپنی راہ پر چل دیا۔

اس نے گھڑی دیکھی۔ سوچتے سوچتے نو سے گیارہ بجنے والے تھے۔ ان دو گھنٹوں میں وہ اپنی زندگی کی کتنی ہی ساری باتیں دہرا گیا تھا۔ دھوپ اب جسم کو جھلسانے لگی تھی۔ چھتری کا سایہ سمٹ کر چھوٹا ہو گیا تھا۔ کشتیاں کنارے لگ گئی تھیں اور ملاح اونگھ رہے تھے۔ وہ سوچنے لگا، جیوتی اب نہیں آئے گی۔ اس کے دیئے ہوئے خط کا ردعمل شاید الٹا ہی ہوا ہے۔ اسے خود پر غصہ آیا۔ اپنی جلد بازی پر وہ بہت پچھتایا۔ دیپک سے شاید اس کی جیوتی جدا ہو گئی تھی۔

کتنی قربت تھی، دونوں کے ناموں میں!

”وہ چراغ تھا تو اس کی محبوبہ روشنی!“

جیوتی کی دید کو اس کی آنکھیں ترس گئیں۔

”جیوتی!“

اس کے لبوں پر بے اختیار ایک آہ بن کر اپنی محبوبہ کا نام آ گیا۔

”جیوتی!“

جیسے یہ اس کے دل کی آواز تھی۔

اپنی ناکامی پر اسے اتنا دکھ نہیں ہوا۔ اسے تو ”جیوتی“ کا خیال تھا کہ خط پڑھ کر جیوتی کو کتنا دکھ پہنچا ہو گا! چھتری کے نیچے سے اٹھ کر وہ سر جھکائے اپنے راستے پر ہو لیا۔

جیوتی سچ مچ اس دن کے بعد کبھی گھاٹ پر نہیں آئی۔ وہ ہر روز ہی جاتا رہا۔ صبح سویرے پہلے سے بھی اور تڑکے، آنکھوں میں امید کی ایک نئی روشنی لیے! لیکن ہر بار اسے ناکام لوٹنا پڑا۔ جب دھوپ بہت چڑھ جاتی تو وہ غم کا ایک نیا بوجھ لئے اپنے گھر لوٹ آتا۔ اپنی چھوٹی سی بھول کے سبب اس نے اپنے دل کی جیوتی بھی کھو دی تھی۔

”وقت پر لگا کر اڑ رہا تھا۔“

گرمی اور بنارس کی گرمی! یہاں کی صبح جتنی خوش گوار ہوتی ہے، گرمی میں دن اتنا ہی تکلیف دہ۔ دن کی اس تمازت نے گویا اس کے مایوس دل پر جیوتی کے تصور کا نقش اور بھی گہرا کر دیا تھا۔ دیوانہ سا وہ ادھر ادھر بھٹکنے لگا تھا۔ شہر میں کسی بھی خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر وہ اس پر جیوتی کا شبہ کرنے لگتا۔ صبح وہ روز ہی گھاٹ پر جاتا رہا۔ پھر اس راستے پر بھی وہ گھاٹ گھاٹ ہو کر دور نکل جاتا۔ جدھر جیوتی اکثر گنگا میں نہانے کے بعد چلی جاتی تھی۔ ہر گھاٹ پر دیپک نے اسے تلاش کیا، پتھر کے ایک ایک پاٹ سے اس کا پتا پوچھا، گنگا کی لہروں سے اس کے پیکر کو طلب کیا، لیکن وہ اسے کہیں نہیں ملی۔ کوئی نشان اس

کے مسکن کا نہیں ملا۔ صبح تو صبح، شام کو بھی اب وہ گھاٹوں کے چکر لگانے لگا تھا۔ ہر سمت مایوسی ہی مایوسی چھائی ہوئی تھی۔ دل میں شعلہ فشاں آگ کی کثرت ہی کثرت تھی۔ پھر بھی اس نے امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ دل ہی دل میں وہ جیوتی کی پرستش کرتا رہا۔

ایک دن حسب معمول دن چڑھے وہ مایوس ہو کر گھاٹ سے لوٹ رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر کپڑے کی ایک دکان پر پڑی۔

"وہ ٹھٹھک گیا۔"

اس نے میرا کو دیکھ لیا تھا اس کے قدم جیسے خود بہ خود ادھر اٹھنے لگے۔

میرا کے بالکل قریب جا کر وہ کھڑا ہو گیا۔

"میرا!"

اس نے آہستہ سے پکارا۔

میرا نے چونک کر اسے دیکھا۔ دیپک کو یوں لگا جیسے میرا ابھی رو پڑے گی۔ میرا کے چہرے پر بلا کی اداسی تھی اور آنکھیں سرخ تھیں۔ شاید وہ پہلے بھی بہت رو چکی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ کچھ آگے بڑھ آئی، ادھر ادھر دیکھتی ہوئی! غالباً اس کے ہمراہ کوئی اور بھی تھا۔

اس نے چاہا کہ میرا سے بہت سارے سوال کر ڈالے، اپنے دل کا حال میرا کے روبہ رو کھول کر رکھ دے، لیکن میرا پہلے ہی اس کی حالت کا اندازہ لگا چکی تھی۔

"وہ ..... وہ....."

میرا نے کہنا چاہا اور اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔

"کیا ہوا میرا؟" اس نے میرا کو بانہوں سے پکڑ لیا۔ اس کا دل اچانک ہی بہت زور سے دھڑکنے لگا۔

"بتا کیا بات ہے؟ تجھے میری قسم!"

میرا سسک اٹھی۔ آنسو چھپانے کی کوشش کرنے کے باوجود اس کی

آنکھیں چھلک پڑیں۔ وہ بڑی مشکل سے بولی۔

"وہ ..... وہ جیوتی دیدی ....."

"ہاں ہاں، کیا ہوا جیوتی کو؟" اس نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"انہوں نے آپ کا خط پڑھا تو خوب روئیں۔"

میرا نے وقت کی نزاکت کو مد نظر رکھ کر جلدی جلدی کہنا چاہا۔

"پھر اسی رات انہوں نے بھی آپکو ایک خط لکھا۔ صبح تڑکے جب میں انہیں گنگا اشنان کے لئے لینے گئی تو وہ کہنے لگیں کہ خود ہی اپنا خط آپ کو دیں گی۔ اپنی زندگی کا انہوں نے ایک فیصلہ کر لیا تھا۔"

آپ نہیں جانتے کہ ان کے پتاجی زندہ نہیں ہیں۔ سوتیلی ماں ہے تو وہ بھی چڑیل۔ سوتیلی ماں کا چھوٹا بھائی بہت ہی آوارہ ہے۔ جب ہم گھر سے نکل رہے تھے تو جیوتی دیدی اس قدر خوش تھیں کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ دروازے سے باہر نکلنے کے بعد انہوں نے اپنے بلاؤز میں خط کو ٹٹولا تو گھبرا گئیں۔

"وہاں خط نہیں تھا۔

"دوڑ کر وہ اندر گئیں تو دیکھا کہ ان کے سوتیلے ماما خط پڑھ رہے تھے۔ غصے سے ماما کا چہرہ بالکل سرخ ہو گیا تھا۔ جیوتی دیدی کو پکڑ کر انہوں نے خوب مارا، لکڑی سے بھی اور گھونسوں سے بھی! اتنا مارا کہ جیوتی دیدی بے ہوش ہو گئیں۔ میں دروازے پر کھڑی سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔"

دیپک کا دل تڑپ کر رہ گیا۔ اس نے غصے سے دانت پیسے اور مٹھیاں بھینچ گئیں۔

"اور اس کی ماں کچھ نہیں بولی؟"

دیپک نے پوچھا۔

"وہ کیا کہتی!" میرا نفرت سے بولی۔

"وہ تو خود بھی اپنے بھائی سے متفق تھی۔ امتحان کے بعد جانے کہاں کہاں

سے جیوتی دیدی کے رشتے آئے تھے' لیکن وہ جیوتی دیدی کی شادی ان رشتوں کو رد کر کے اپنے بھائی سے ہی کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ جیوتی دیدی کے پتا کی موت کے بعد اسی لیے اس نے اپنے بھائی کو گاؤں سے بلا لیا تھا۔"

"اتنی بڑی نا انصافی!"

دیپک کا دل بھر آیا۔

"اب جیوتی کیسی ہے؟"

"کیسی ہے؟"

میرا تڑپ کر رو دی۔

"جیوتی دیدی تو گزر گئیں۔"

"میرا!"

دیپک چیخ اٹھا۔

"نہیں نہیں میرا! ایسا مت کہو...... ایسا نہیں ہو سکتا!"

دیپک کے دل میں اس شدت کا درد اٹھا کہ آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔

"اتنی بڑی بات میں غلط کیسے کر سکتی ہوں بھیا جی!"

میرا نے رو کر کہا۔

"یقین نہ ہو تو ان کا آخری دیدار کرنے شمشان گھاٹ چلے آئیے گا' شام کو سات بجے! میں یہاں بابو جی کے ساتھ ان کا کفن اور دوسرا سامان لینے آئی ہوں تاکہ ان کی ارتھی اٹھائی جا سکے۔ ان کے گھر والے تو انہیں یوں ہی گنگا میں بہا دینے پر تلے ہوئے ہیں۔"

"میرا!...... یہ کیا..... کیا ہو گیا میرا؟

..... کیسے ہو گیا؟

اتنی جلدی!؟"

دیپک رو دیا اور وہیں فٹ پاتھ پر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"اس روز مار کھانے کے بعد جیوتی دیدی کتنے ہی دن بیمار پڑی رہیں۔"

میرا نے جلدی جلدی بات ختم کر دینا بہتر سمجھا۔

"مرنے سے پہلے انہوں نے کئی بار آپ کو یاد کیا۔ آپ کا نام نہ جاننے کے باوجود وہ آپ کی مالا جپتی رہیں۔ انہوں نے آپ کو سامنے سے دیکھا بھی نہیں' پھر بھی آپ کی پوجا کرتی تھیں! آپ کے چہرے مہرے کے بارے میں مجھ سے وہ اکثر پوچھتی رہتی تھیں جیسے خیالوں ہی خیالوں میں آپ کی تصویر بنانا چاہتی ہوں۔"

"محبت کی یہ کیسی سزا ملی ہے!"

دیپک درد بھری آواز میں یہ کہتا ہوا اور اپنے آنسو پونچھنے لگا۔

"اس کا گھر کہاں ہے؟

میں ..... میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔ اس ...... اس کی ارتھی کو میں بھی کاندھا دینا چاہتا ہوں۔"

"نہیں نہیں بھیا! ایسا غضب مت کیجئے۔"

میرا بولی۔

"آپ کو نہیں معلوم جیوتی دیدی کے ماما کتنے بھیانک آدمی ہیں! جیسا روپ ہے' ویسا ہی دل اور ویسے ہی بد افعال! آپکو اگر کسی نے پہچان لیا تو بات بہت بڑھ جائے گی۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ وہاں کسی طرح کا فساد پیدا ہو جس سے جیوتی دیدی کی رسوائی ہو؟"

وہ خاموش ہو گیا اور اپنے سینے پر صبر کا پتھر رکھ لیا۔ اسے اندازہ تھا کہ ارتھی لے جاتے ہوئے کسی اجنبی کو دیکھ کر اس پر شک کیا جا سکتا ہے' یہ شک کہ جیوتی نے اسی کو خط لکھا تھا۔

"میرے بابو جی آ رہے ہیں۔"

میرا بول اٹھی۔

"میں چل رہی ہوں۔ اگر شمشان گھاٹ آئیں تو دور ہی سے دیدی کے

درشن کر لیجئے گا۔ اچھا نمستے!"

اپنے آنسوؤں کو پی کر دیپک اپنے گھر پہنچا۔ پلنگ پر گر کر وہ سسک پڑا۔ آنسو اس طرح بہنے لگے جیسے ندی کا بند ٹوٹ گیا ہو۔ درد اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ کلیجہ شق ہوا جا رہا تھا۔ دل تڑپ رہا تھا۔ وہ دیر تک روتا رہا اس محبت کے لیے جسے پا کر وہ کھو چکا تھا۔ اسے یہ جان کر اور بھی ملال ہو رہا تھا کہ جیوتی کے دل میں بھی آتش عشق بھڑک اٹھی تھی۔ وہ تو اس آگ میں جل کر ختم ہو گئی تھی مگر دیپک ہمیشہ جلنے کو زندہ رہ گیا۔

O....O....O

شمشان گھاٹ پر پانی کے کنارے کی سیڑھیوں سے ہٹ کر کچھ دور ایک سایہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ سایہ کبھی کبھی کانپ اٹھتا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا گویا اس کے لبوں سے سسکیاں ابھر کر گنگا کے کنارے کے ماحول میں ڈوب رہی ہوں۔ آس پاس کھڑے تمام ہی لوگ سنجیدہ تھے۔ شاید سبھی کو تسلی کی ضرورت تھی۔ ارد گرد کئی چتائیں جل رہی تھیں۔ ان کی بو سے فضا گندی اور ماحول بھیانک ہو گیا تھا۔

وہ سایہ شام ہونے سے پہلے ہی یہاں آ گیا تھا اور اب رات ہو چکی تھی۔ آٹھ بج رہے تھے۔ اپنی جگہ کھڑا کھڑا وہ سایہ پتھر کی مورتی بن چکا تھا۔ دو گھنٹوں میں اس نے کتنے ہی جنازے یہاں آتے دیکھے تھے۔ کتنے ہی جسم چتا کی آگ میں جل کر خاک ہو چکے تھے۔ آج ہوا کا بہاؤ کچھ تیز تھا۔ تاروں کا نشان تک نہیں تھا۔ بادل گھرے گھرے سے تھے جیسے کسی مظلوم پر ہونے والے ستم کے سبب تڑپ کر آنسو بہانے کا انتظار کر رہے ہوں۔ کسی خاص موقع ہی کا جیسے انہیں انتظار تھا۔ ہوائیں جیسے چتاؤں کے شعلوں سے برسرپیکار تھیں۔ شعلے جب بھبک کر لمبی زبان کی صورت زمین پر بجھ جاتے تو ان کی چمک سے اس سائے کا

چہرہ بھی کبھی کبھی دکھائی دے جاتا تھا۔ اس کی آنکھوں کے آنسو گنگا کے پانی کی طرح چمک اٹھتے تھے۔ بہت خاموش کھڑا ہوا اپنے ہی کرب میں ڈوبا وہ سایہ جانے کیا سوچ رہا تھا!

معاً" وہ چونک اٹھا۔ ایک آواز ملی جلی آواز اس کی ساعت سے ٹکرائی۔

"رام نام ست ہے..... رام نام ست ہے۔"

اس کے دل کی دھڑکنیں بڑھ گئیں۔ نگاہیں پھیر کر اس نے گھاٹ پر لگی بجلی کی روشنی میں دیکھا، دوسرے گھاٹوں سے گزرتا ہوا لوگوں کا ایک ہجوم شمشان گھاٹ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ لوگوں کے کاندھوں پر ایک ارتھی تھی۔ اس کے دل نے نہ جانے کیوں یقین کر لیا کہ یہ ارتھی جیوتی ہی کی ہے۔

وہ سایہ تھوڑا پیچھے ہٹ گیا۔ اس طرح وہ دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہو گیا۔ قریب جانے کی اس میں ذرا بھی جسارت نہیں تھی۔

"ارتھی شمشان گھاٹ پہنچی۔"

لوگوں نے اسے کاندھے سے اتار کر نیچے رکھا ہی تھا کہ پنڈت لپک کر اس کے قریب پہنچا۔

سائے نے دیکھا، پنڈت کے حکم سے لوگ لاش کو ٹکٹکی سمیت وداعی غسل کے لیے گنگا کے کنارے لے کر بڑھ رہے ہیں۔ تب ہی دو گھڑوں کا انتظام کر کے ان میں پانی بھرا جانے لگا۔ آخری رسم کے بعد لاش کو بہانے کا انتظام ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس سے یہ غم برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ دیپک اپنی جیوتی کومدیکھنے میں بھی ناکام تھا۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا، گویا اپنی آنکھوں سے دل کے درد کا اظہار کر رہا ہو، لیکن گھنی کالی گھٹاؤں میں تو اس سے بھی کہیں زیادہ آنسو برسنے کو بضد تھے۔

ہواؤں کا بہاؤ اب اس قدر تیز ہو چلا تھا کہ کھڑے کھڑے اس سائے کے پاؤں ڈگمگا جاتے۔ یہ جھونکے اسے جیوتی کی سمت ہی دھکیل کر لے جانے پر تلے ہوئے تھے۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں، ہونٹ سسکیوں کے دباؤ سے کانپنے

لگے۔

پیروں میں کھڑے ہونے کی طاقت نہ رہی تو وہ وہیں بیٹھ گیا۔ سیڑھی پر سر ٹکا کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔ اس کی ہچکیاں محبت کے دیوتا کو اپنے درد کی دہائی دینے لگی تھیں، مصور سے اس کے فن کی خوب صورتی کے لیے کچھ دن کی اور بھیک مانگ رہی تھیں۔ دیوانگی حد سے بڑھ چکی تھی، لیکن قدرت کو گویا اس پر رحم آ ہی گیا۔

اس کے آنسوؤں سے آسمان کا جگر پھٹ گیا۔ زمین کا دل کانپ اٹھا۔ بادلوں نے گرج کر کروٹ بدلی، بجلی کوند کر پوری طاقت سے کڑکی۔ جیسے ہی لاش کو ٹکٹکی کے ساتھ پانی کی سطح سے باہر نکالا گیا، لوگوں کے ہاتھ کانپ گئے، گرفت ڈھیلی ہو گئی اور ٹکٹکی چھوٹ کر پانی کے پاس والی سیڑھی پر گر پڑی۔ بجلی کی کڑک اتنی شدید تھی کہ سارے گھاٹ اور تمام شہر کی بتیاں ہی گل ہو گئیں۔ چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔

"گہرا اندھیرا!"

آس پاس کی پتھریلی چھتریاں مل کر ٹوٹ گئیں۔ گھاٹ کے پتھر سرک گئے۔ دھماکے کی آواز کے ساتھ طوفان کے ایک شدید جھونکے نے سارے گھاٹ ہی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ بجھی ہوئی چتاؤں کی راکھ اڑ کر گھاٹ کی ساری فضا پر چھا گئی۔ رات نے اس آندھی اور طوفان کا سہارا لے کر ہر نظر آنے والی شے کو چھپا لیا۔

آندھی کی زد میں آئے ہوئے لوگ گھبرا کر بھاگ اٹھے اور مندروں میں پناہ لی۔ گھاٹ پر کوئی بھی نہیں تھا۔ ملاحوں نے کشتیاں کنارے پر چھوڑ دیں۔ گھاٹ پر لگی پھونس کی چھتریاں اور چھتیں، کاغذ کی طرح اڑ کر گنگا میں بہہ گئیں چاروں طرف الم ناکی سی چھائی ہوئی تھی۔

اس آندھی اور طوفان کے باوجود وہ سایہ وہیں بیٹھا رہا۔ اس کے پیر جیسے گھاٹ کے پتھر سے چپک کر رہ گئے تھے۔ چند ساعت کو بھی وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا

ہٹا۔ آس پاس کتنے ہی پتھر لڑھکے' ٹین اڑ کر گرے۔ چنگاریاں بھی اڑ اڑ کر جسم پر آئیں' لیکن وہ سایہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ بجلی کی چمک اور بادلوں کی گھن گرج سے اس کا دل نہیں کانپ سکا۔ ایک بت کی طرح جیوتی کے غم میں ڈوبا اور اپنی سدھ کھو چکا تھا۔ اسے کچھ بھی ہوش نہیں تھا۔

معا" اپنے آپ کو اتنی بڑی دنیا میں تنہا پا کر وہ سایہ کھڑا ہو گیا۔ اب وہ اپنی جیوتی کے آخری دیدار کا موقع کھونا نہیں چاہتا تھا۔ پھر بھی دل میں سمایا ہوا خوف اسے آگے بڑھنے سے روک رہا تھا۔ وہ دل میں اٹھنے والے طوفان کے خلاف فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گیا۔

آندھی کا ایک شدید تھپیڑا پھر آیا' کچھ اس طرح جیسے کسی نے اسے پیچھے سے دھکیل دیا ہو۔ اس کے قدم لڑکھڑا گئے۔ قدرت اپنے انصاف کے مطابق اسے آگے کی طرف کھینچتی ہوئی لے گئی۔

لڑکھڑاتا کبھی سنبھلتا وہ سایہ اپنے آپ سے بے خبر سیڑھیاں اترتا ہوا پانی کے نزدیک پہنچ گیا۔

"جیوتی کی لاش کے بالکل نزدیک!"

گنگا کی لہریں بہت بے چینی سے اسے اپنی پناہ میں لینے کو بڑھ بڑھ کر مچل رہی تھیں۔ ہواؤں کے تیز تھپیڑوں نے جیوتی کے جسم کو ٹکٹکی سے بندھے ہونے کے باوجود چہرے سے بے نقاب کر دیا تھا۔ اس آندھی میں بھی سفید ساڑھی میں اس کا چہرہ سفید گلاب کی طرح لگ رہا تھا۔ سیاہ ماحول اس کے چہرے کی سفیدی پر چھا جانے میں ناکام تھا۔

راکھ' گرد اور دھوئیں کے بادل گھاٹ پر اتر چکے تھے۔ ان کے درمیان اس کا چہرہ بری طرح جھلسنے لگا آنکھیں جلنے لگیں' ہوا میں سوئی کی نوک کی مانند جسم پر نشتر زنی کر رہی تھی۔ اس کا جسم چھلنی ہوا جا رہا تھا۔ پھر بھی اس نے کسی بات کی پروا نہیں کی۔ اس نے اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالیں۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا جس میں کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کے دل میں ایک

نئی جوالا پھوٹی اور دھڑکنوں میں تبدیلی واقع ہو گئی۔ اس نے محسوس کیا۔"

وہ دیپک ہے' صرف دیپک!"

اور اس کے قریب ہی جیوتی پڑی ہے' اس کی اپنی جیوتی جس پر اسے پورا حق ہے۔ وہ لاش کے اور نزدیک آیا او گھٹنوں کے بل جھک کر بیٹھ گیا۔ اچانک ایک بار بجلی پھر چمکی

اس نے دیکھا وہ اوپر جاتی سیڑھیوں کی آڑ میں دوسروں کی نظروں سے پوری طرح محفوظ ہے۔ بجلی پھر چمکی تو اس نے جیوتی کے چہرے پر نظریں ڈالیں۔ پانی کے قطروں میں نہایا ہوا ایک تازہ گلاب اس کے سامنے تھا۔ نیم والبوں پر جیسے کوئی پیغام آ کر رک گیا تھا۔ کیا خبر جیوتی کے ہونٹوں پر مرتے ہوئے اسی کا نام ہو۔ وہ جیسے گہری نیند سو رہی تھی۔ جیوتی کو اس حال میں دیکھ کر دل میں ہوک سی اٹھی۔ اس کی سسکیاں ہواؤں کی سنسناہٹ میں گم ہو گئیں۔ بہت آہستہ سے اس نے جیوتی کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں اٹھایا۔ اس کا جسم بے حد ٹھنڈا تھا۔ گنگا کا پانی جیسے برف بن کر اس کا جسم منجمد کر گیا تھا۔

چند ساعت بعد اس کے دل پر اچانک ہی کسی نے تھپکی سی دی۔

"وہ خوف سے لرز گیا۔"

"اس نے پھر چاروں طرف دیکھا۔ حد نظر تک اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔"

جلتی ہوئی چتاؤں کی چنگاریاں تک بجھ چکی تھیں۔ اس نے دریا کی طرف نگاہ اٹھائی۔ وہاں بھی اندھیرے کا راج تھا۔ پانی کی چمک بھی غائب ہو چکی تھی۔ لہروں میں البتہ سمندر جیسا شور تھا۔ بادل ابھی تک گرج رہے تھے اور بجلی میں ناقابل برداشت کڑک تھی۔ ساری آوازیں گڈمڈ ہو کر یوں سنائی دے رہی تھیں جیسے سینکڑوں بے سرے ساز ایک ساتھ بج اٹھے ہوں۔ پھر بھی اس بے سرے پن میں ایک آہنگ تھا جو اسے کوئی پیغام دینا چاہتا تھا۔

اس کے دل میں ہلچل سی پیدا ہو گئی۔ شعور میں دیوانگی سی جاگ اٹھی۔ وہ

یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ ہوش میں ہے یا عالم بیہوشی میں! جیوتی کو اس نے پھر دیکھا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ جیوتی کو اپنی باہوں میں لے کر گنگا میا کی گود میں ایک ساتھ ہی سما جائے۔ یہ خیال بے حد خوف ناک تھا' لیکن دیوانگی نے اس کے دل کو جھوٹی تسکین دینے کے لیے سمجھایا کہ جیوتی کو اگلے جنم میں اپنا بنانے کے لیے پہلے اسے اسی جنم کا سہارا لینا پڑے گا۔

اس جنم ہی میں جب تک وہ جیوتی کے جسم کو خود سے قریب نہ کر سکا تو اسے کسی بھی جنم میں نہیں پا سکتا۔ جیوتی پر تو اس کا پورا حق ہے۔ اس حق سے اسے ہرگز محروم نہیں رہنا چاہئے اس کے اندر ہمت پیدا ہوئی۔ وہ کھڑا ہوا اور سیڑھی پر اتر آیا۔ ارد گرد کسی کو موجود نہ پا کر وہ پھر جیوتی کے قریب آ گیا۔ ایک عجیب ارادہ اس کے دل میں سما چکا تھا۔ اپنے ارادے کو وہ جلد از جلد تکمیل کی منزل تک پہنچا دینا چاہتا تھا۔ بڑی سرعت کے ساتھ اس نے جیوتی کی لاش کو ٹکٹکی کی گرفت سے آزاد کیا۔ بہت نرمی کے ساتھ اس کے پھول سے جسم کو اپنی بانہوں میں سنبھال کر وہ کچھ آگے بڑھا۔

دریا کے کنارے بندھی ہوئی کشتیوں میں سے ایک کے اندر اس نے جیوتی کو لٹا دیا۔ لپک کر واپس آنے کے بعد ٹکٹکی کو اس نے دریا میں پھینک دیا۔ کشتی پر وہ پھر واپس آ گیا وہ جھکا اور ہاتھ بڑھا کر کشتی کی رسی کھول دی۔ ایک ہی رسی سے نہ جانے کتنی کشتیاں بندھی ہوئی تھیں۔ آزاد ہو کر سبھی ایک دوسرے سے ٹکرائیں اور دریا کے وسط کی طرف بہنے لگیں۔

وہ اپنی کشتی کے درمیان میں آ کر بیٹھ گیا۔ جیوتی کا سر اس نے اپنی گود میں رکھ لیا اور اپنے دیوانے پن میں کھو گیا۔

"جیوتی صرف دیپک کی ہے۔ وہ سوچنے لگا۔

بادل گرج رہے تھے۔ لیکن ہواؤں کے تھپیڑے اتنے سخت تھے کہ ان کو اپنے آنسو زمین کی چھاتی پر گرانے کے لیے وقت کی ضرورت تھی۔ ایک آندھی' ایسا طوفان اس نے زندگی میں پہلی بار ہی دیکھا تھا۔ اس کی کشتی خود

ہواؤں کے رحم و کرم پر ڈگمگاتی ہوئی ایک سمت چل پڑی تھی۔ کسی ان جانی منزل کی سمت کبھی اونچی کبھی نیچی۔

تقریباً تین گھنٹے اسی طرح گذر گئے کہ اچانک ہی بارش کی موٹی موٹی بوندیں پڑنا شروع ہو گئیں۔ آندھی میں ہلکی سی کمی آ گئی۔ لیکن لہروں کا شور بدستور تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس آندھی اور طوفان کی زد سے اتنی دیر تک محفوظ رہنا حقیقت میں ایک معجزہ ہے۔ لیکن اب تو یقیناً اسے اپنی جیوتی کے ساتھ موت کے منہ میں جانا پڑے گا۔ بارش کے پانی سے کشتی بھر جائے گی اور پھر سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ اس نے سوچا' یہ بھی اچھا ہی ہے۔ کشتی ہی پر اس نے جیوتی کو اپنا بنا لینے کا فیصلہ کر لیا۔ جیب سے اس نے پیتل کا ہار نکالا۔ ابھی وہ جیوتی کے گلے میں ہار پہنانے کے لیے سوچ ہی رہا تھا کہ اندھیرے میں کشتی کو ایک جھٹکا لگا۔ لہروں کے مدو جزر میں کمی آ گئی۔ کشتی بہتے بہتے رک گئی۔ بارش اور تیز ہو گئی۔ بجلی پھر کوندی۔ اس نے دیکھا' کشتی کنارے لگی ہوئی ہے شہر سے بہت دور وہ کسی جنگل کے کنارے پہنچ گئے تھے۔ معلوم نہیں وہ کون سی جگہ تھی جہاں وہ ایک لاش کے ساتھ بہتا ہوا آ گیا تھا!

جیوتی کا جسم بالکل بھیگ رہا تھا۔ لہروں کی مسلسل بوچھار سے اس کا اپنا جسم بھی بالکل تر تھا۔ کچھ سوچ کر اس نے جیوتی کی لاش اپنی بانہوں میں اٹھائی اور کنارے پر اتر آیا۔ پاگل سا وہ آگے بڑھ گیا اور بڑھتا ہی چلا گیا۔ جنگل کے وسط میں جہاں کوئی راستہ نہیں تھا' کوئی منزل نہیں تھی جنگل کے اس گھنے اندھیرے میں وہ کھو جانا چاہتا تھا شاید موت کے پنجے یہاں اس کا انتظار کر رہے ہوں۔

گنگا میا نے تو دو پیار کرنے والوں کا الزام اپنے سر سے اتار دیا تھا' لیکن اب وہ یہاں کس طرح بچ سکتا ہے! یہاں تو بھیانک جنگلی جانور بھی ہوں گے۔ وہ سوچتا رہا پھر اس کا جی چاہا کہ وہیں بیٹھ جائے' لیکن اس کے قدموں میں اب جیسے ایک عجیب و غریب چستی آ گئی تھی' ایک حیرت انگیز طاقت عود کر آئی جس کے سہارے وہ آگے اور آگے ہی بڑھتا چلا گیا۔

راستہ دشوار تھا۔ قدم قدم پر کانٹے اور جھاڑ جھنکار تھے' لیکن اس کی دیوانگی ہر رکاوٹ کو روندتی پھاندتی اسے آگے ہی لئے چلی جا رہی تھی۔ کئی دشوار تر مقامات پر بجلی کی کوند نے اسے راستہ دکھایا۔ ہواؤں نے اسے پیچھے سے دھکیلا اور وہ ہمت جمع کر کے قدم بڑھاتا رہا' مگر ایک انتہا پر پہنچ کر اس کی طاقت جواب دینے لگی' قدم کمزور ہو کر لڑکھڑانے لگے ہاتھ سن پڑ گئے۔ جیوتی کا جسم ہاتھوں پر بوجھ بن کر نیچے کو لٹکنے لگا۔ اس نے سوچا' اب وہ یہیں بیٹھ جائے' جیوتی کے پہلو میں لیٹ کر ہمیشہ کی نیند سو جائے۔ اسی لمحے بہت زور کی بجلی چمکی۔ روشنی میں اس نے دیکھا کہ پانی کی دیوار کے پیچھے کچھ ہی فاصلے پر ایک کھنڈر ہے۔ اس کے ٹوٹتے سانس قابو میں آ گئے' ہمت بڑھ گئی' جسم میں طاقت لوٹ آئی۔ جیوتی کے جسم کو پوری طاقت سے سنبھال کر اس نے لمبے لمبے قدم بڑھانا شروع کر دیئے۔

"جلد ہی وہ ایک بڑے دروازے کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔"

جانے کس صدی کا بنا ہوا یہ ایک قدیم مندر تھا۔ دیواروں پر درزیں تھیں اور درزوں پر گھاس اگی تھی۔ دروازہ بڑا اور گھسا پٹا تھا۔ بند دروازے کے قریب آ کر اس نے پیرے سے اندر دھکیلا۔ چرچراہٹ کی آواز بادلوں کی گرج میں ڈوب گئی۔ ہوا کے ایک جھونکے کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ اندر سے اس نے دروازے کو پھر پیر کی مدد سے بند کرنا چاہا اور کامیاب رہا۔ طوفانی شور و غل کم ہو گیا۔ یہ ایک کمرہ تھا' لیکن اندھیرا۔ ملحقہ کمرے میں ہلکی ہلکی روشنی کانپ رہی تھی۔ جیوتی کو اسی حالت میں لئے ہوئے وہ دوسرے کمرے میں پہنچا۔ یہ بڑا ہال تھا۔ یہاں طاق پر رکھی ہوئی ایک پرانی لالٹین ہوا کی زد سے محفوظ رہنے کے باوجود جیسے سسک رہی تھی۔ چاروں طرف پتھر کی دیواروں پر قدیم مذہبی تہذیب اپنی کہانیاں دہرا رہی تھی۔ اس کے مقابل شنکر جی کی مورتی جیسے اس کی آمد کے انتظار میں بانہیں پھیلائے ہوئی تھی۔ چاروں جانب اگر بتیاں جل رہی تھیں جن سے کمرے کی فضا مہکی مہکی سی تھی!

مورتی کے قدموں میں کچھ پھول بکھرے ہوئے تھے وہ مورتی کے بالکل قریب سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ پتھر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس نے بہت مایوسی سے اپنے پیار کی قیمت طلب کی' پھر دھیرے سے مسکرا دیا' دیوانوں کی طرح! بھگوان بھی اسی کی طرح بے بس تھا۔ اس نے نیچے قدموں کے قریب دیکھا۔ وہاں پوجا کی تھالی رکھی تھی۔ جیوتی کو بھی اس نے مورتی کے قدموں میں رکھ دیا' بہت احتیاط سے تاکہ اس کے نازک جسم کو فرش کی سختی کا احساس نہ ہو۔ پیروں کو اس نے پھیلا دیا اور ہاتھوں کو سیدھا کر دیا! پھر وہ خود وہیں بیٹھ گیا جیوتی کے قریب! جیوتی کا سر اس نے اپنی گود میں رکھ لیا اور گہرا سانس لیا' پھر انگلیوں سے جیوتی کے چہرے سے پانی کی بوندیں ہٹانے لگا۔ جیوتی کو اس نے پہلی بار بہت قریب سے نظریں جما کر دیکھا۔ سیاہ الجھے گیسو' بند دراز پلکیں' پتلی سی ناک' پتلے پتلے ہونٹ' بائیں ہونٹ کے نیچے چھوٹا سا سیاہ تل تھا۔ اپنی جیب سے اس نے پیتل کا ہار نکال لیا' اسے آنکھوں سے لگایا' چوما اور پھر جیوتی کی گردن میں پہنا کر اس نے نزدیک رکھی پوجا کی تھالی میں ہاتھ بڑھایا۔ اس نے سیندور جیوتی کی مانگ میں بھر دیا۔ پھر وہ اس کے چہرے پر جھکا' پورے حق کے ساتھ' بہت فخر کے ساتھ! اس کی دیوانگی' محبت میں ایک پاکیزگی تھی۔ وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ اس کے آنسو جیوتی کے نم آلودہ چہرے کی نذر ہو گئے۔ بادل گرج رہے تھے بجلی کڑک رہی تھی اور بارش کی مدھم صدا سے کمرے کا ماحول سہما سہما سا تھا۔

جیوتی کا سر اس نے دھیرے سے نیچے رکھا پھر اٹھ کر مورتی کے قدموں میں جھک گیا۔ آہستہ سے وہ پھر مسکرایا' درد بھری مسکراہٹ' طنزیہ انداز میں جیسے قدرت کا مذاق اڑا رہا ہو' کہہ رہا ہو کہ دیکھ لو بھگوان میں نے آخر جیوتی کی مانگ میں سیندور بھر کر اسے اپنا ہی لیا۔ تم ہار گئے اور میں جیت گیا جنم جنم کے لیے! اب تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ پھر وہ دیوانوں کی طرح زور زور سے ہنسنے لگا۔ اس کے قہقہے بلند ہو کر کمرے کی دیواروں سے ٹکرانے لگے۔ اچانک وہ

خاموش ہو گیا اور کہنے لگا۔

"بھگوان! اب جیوتی اکیلی نہیں [illegible] میں بھی ساتھ آ رہا ہوں۔"

یہ کہتے ہی وہ پاگلوں کی طرح اپنا سر مورتی کے قدموں میں مارنے لگا۔

تبھی ایک بھاری بھرکم سایہ اس کے اوپر چھا گیا۔ کسی نے پیچھے سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"یہ کیا کر رہے ہو بیٹا؟"

سائے کی طرح آواز بھی بھاری بھرکم تھی۔

اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک پجاری کھڑا اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"تم کون ہو بیٹا"

پجاری نے سوال کیا۔

"یہ سب کیا ہے؟ اتنی رات میں تم یہاں' ایسے وقت؟"

اس نے کوئی جواب دیئے بغیر پجاری کے پیر چھوئے اور وہیں سر رکھ کر رونے لگا۔

"یہ تمہارے ساتھ کون لڑکی ہے؟"

پجاری نے پھر حیرت سے پوچھا۔

"یہ میری بیوی ہے۔"

دیپک اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"میں نے ابھی ابھی اس سے شادی کی ہے۔"

"ابھی ابھی؟"

"جی ہاں پجاری جی!"

وہ بولا اور جیوتی کے قریب بیٹھ گیا۔ جیوتی کا سر اس نے پھر اپنے زانوں پر رکھ لیا۔

"یہ مر چکی ہے۔"

"کیا؟"

پجاری کانپ اٹھا۔

"ہرے رام..... ہرے رام!"

پھر اس نے لاش کو غور سے دیکھا۔ اتنی حسین لڑکی! گویا آسمان کی حور اتر کر اس کے مندر میں آ گئی ہو اور محو خواب ہو۔ پجاری اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

"یہ جیوتی ہے"

دیپک نے دیوانوں کی طرح اپنا ہاتھ جیوتی کے بالوں پر پھیرتے ہوئے کہا۔

"ہم دونوں ہی ایک دوسرے کو بہت پیار کرتے تھے۔ لیکن اس کی سوتیلی ماں نے اسے مار ڈالا۔ آندھی اور طوفان کا سہارا لے کر میں نے اس کی لاش کو کشتی میں ڈال لیا۔ سوچا تھا' گنگا میا کی گود ہم دونوں کو ساتھ ہی نصیب ہو گی' لیکن بھگوان شاید نہیں چاہتا تھا کہ میں بھی جیوتی کے ساتھ اس کی دنیا میں پہنچوں۔ میں نے بھی عزم کر لیا ہے کہ ہم مریں گے تو ساتھ اور جئیں گے تو ساتھ! اب جیوتی مر چکی ہے تو مجھے بھی کوئی موت کے پنجے سے نہیں روک سکتا۔ جیوتی میری ہے..... صرف میری"۔/

O............O............O

"نہیں نہیں بیٹا! ایسا نہیں کہتے۔"

پجاری نے جھک کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ "خودکشی بہت بڑا گناہ ہے۔ اسی کی کوئی معافی نہیں۔ تم نے کس طرح یقین کر لیا کہ خودکشی سے انسان کو سکون حاصل ہوتا ہے؟ خودکشی کے بعد روحیں اپنا وقت پورا ہونے کے بعد ادھر ادھر بھٹکتی پھرتی ہیں۔ تمہاری جیوتی تو اپنے آپ مری ہے' قدرتی موت! خودکشی کے بعد تمہاری روح کبھی بھی اس کے ساتھ نہیں رہ سکے گی۔"

"آپ ..... آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں پجاری جی؟؟"

دیپک کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔

"ہاں بیٹا' میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔"

پجاری بولا۔

"اسی لئے تو انسان کو سخت سے سخت مصیبت میں پڑنے کے بعد بھی اس کی اجازت نہیں ملی۔"

"لیکن ....."

"تم اس کمرے میں چلو!"

پجاری نے اس کی بات کاٹ دی۔

"چل کر آرام کرو بہت بھیگ چکے ہو۔ جیوتی کے کریا کرم (تجہیز و تکفین) کا انتظام میں کل صبح ہوتے ہی کرا دوں گا۔ ابھی اس کی لاش کو دوسرے کمرے میں رکھوانا پڑے گا۔"

دیپک ایک مرتبہ پھر سسکیاں بھرنے لگا۔ پجاری نے اسے دلاسا دیا تو وہ اس کے ساتھ چل دیا۔

جیوتی کی لاش وہاں سے اٹھوا کر پجاری نے مندر ہی کے آخری کمرے میں رکھوا دی۔ یہاں صرف چند دیو داسیاں' پجارنیں اور جوگنیں ہی رہا کرتی تھیں۔ ان میں سے ایک کی عمر تو سو برس سے بھی زیادہ ہو چکی تھی۔ اس نے ایک دنیا دیکھی تھی۔ وہ کمرہ کشادہ تھا۔ درمیان میں چھت سے لگے چار کھمبے تھے۔ ایک کھمبے کے قریب پتھر کی پتلی سی بینچ تھی۔ جیوتی کی لاش کو جب اس پر لٹایا گیا تو بوڑھی دیوداسی اسے دیکھتی رہ گئی۔ اس کی لاش کو ایک سفید چادر سے ڈھانپ دیا گیا۔ بوڑھی دیوداسی ایک چٹائی پر بیٹھ کر عبادت میں مصروف ہو گئی۔' لیکن جانے کیوں بار بار اس کی نظریں لاش کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔ اس نے کوئی خاص بات ضرور محسوس کر لی تھی' لیکن یقین نہیں تھا۔

معاً" ایک تیز جھونکے سے لاش پر ڈھکی ہوئی چادر ذرا سی ہٹ گئی۔

"دیوداسی کا دل کانپ اٹھا۔"

اپنے کاندھے پر چادر ڈال کر وہ اٹھی' لاش کے قریب آئی اور چادر ہٹا کر غور سے جیوتی کا چہرہ دیکھنے لگی۔ اس نے نیچے لٹکے ہوئے ہاتھ کو دھیرے سے اٹھایا تو چونک اٹھی۔ خلاف توقع ہاتھ بے حد نرم تھا۔ اس نے چادر درست کی اور دوبارہ اپنی جگہ بیٹھ گئی۔ کچھ دیر گزری ہو گی کہ بوڑھی دیوداسی کا دھیان پھر بٹ گیا۔

اس نے نظریں اٹھائیں تو ٹھٹھک گئی۔ لاش کا ہاتھ پھر نیچے جھول رہا تھا۔ وہ اٹھ کر لاش تک پہنچی اور اس مرتبہ دونوں کی نرمی کو محسوس کیا۔ کوئی

نامعلوم طاقت اسے کسی خاص بات کی تحقیق پر اکسا رہی تھی۔ اس کا ماتھا ٹھنکا' اپنی نرم ہتھیلیوں سے اس نے لاش کے رخساروں کو چھوا' کانپتی انگلیوں سے آنکھوں کی پتلیاں اوپر نیچے کیں' ہونٹوں کو ہلایا اور منہ کھولا۔ ہر عضو تازہ تھا اور زندہ معلوم ہوتا تھا۔ موت کے بعد لاش سخت ہونے لگتی ہے۔

"تو پھر یہ کیسی لاش تھی کہ جس پر موت کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا؟"

وہ سوچنے لگی۔ اس نے لاش کی گردن پر اپنی انگلیاں رکھیں۔ نیلی نیلی رگیں موجود تھیں۔ اس نے جیوتی کی ہتھیلیوں اور تلوؤں کو بھی مسلا۔ ہر عضو نرم اور ٹھنڈا تھا آنکھوں کی پتلیاں اس نے دوبارہ کھولیں۔ ان میں چمک باقی تھی۔

اس کا شک اب یقین میں بدلنے لگا۔ لاش کو دوسری داسیوں سے اٹھوا کر اس نے فوراً اپنی چٹائی پر لٹایا' بھیگے کپڑے اتار پھینکے اور قریب ہی آگ جلا دی۔ پھر وہ تیل گرم کر کے آئی۔ تیل میں اس نے جانے کیا کیا ملایا۔ باقی دیو داسیاں اسے حیرت سے دیکھتی رہیں۔ پھر بوڑھی دیوداسی نے جیوتی کے جسم پر تیل ملتے ہوئے دوسری دیوداسیوں سے بھی ایسا کرنے کو کہا۔ کپڑے کی تہہ کو آگ پر گرم کرتے ہوئے جیوتی کے ٹھنڈے اعضاء میں حرارت پیدا کرنے لگی۔ اس کے دل سے جیوتی کے لیے دعا نکل رہی تھی۔ اپنے تجربے پر اسے بھروسہ تھا۔ دوسری دیوداسیوں کو بھی یقین سا تھا کہ ابھی اس مندر میں کوئی معجزہ ہونے والا ہے۔

"زندگی پر موت کا عارضی پردہ پڑ جانا کوئی نئی بات نہیں ہے موت کا سرٹیفکیٹ دینے کے بعد بھی جب کسی مردہ جسم میں جان آ جاتی ہے تو ڈاکٹر اسے "کوما" کی بیماری بتاتے ہیں۔"

مریض کی بے ہوشی سے زندگی کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ نسیں ڈھیلی پڑ جاتی ہیں اور خون بالکل ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔

بہت دیر بعد پتھر سی جمی سل پگھلنے لگی۔ پیٹ اور سینے میں لہریں ابھرنے

لگیں' نتھنے پھولنے لگے' کچھ اس تیزی کے ساتھ جیسے اس کے سانسوں کو برسوں بعد قید سے رہائی ملی ہو۔ پلکوں میں پنکھڑیوں جیسی لرزش آ گئی۔ چہرے کی سفیدی میں گلابی پن رونما ہونے لگا۔ ہونٹ سرخ ہو گئے۔ جسم کی کھال پر رگیں ابھر آئی۔ جیوتی کا جسم معاً" یوں کھل گیا جیسے ریگستان میں کسی خشک پودے کو اچانک پانی مل گیا ہو۔

صبح ہونے سے کچھ ہی دیر قبل جیوتی کے کانپتے لبوں سے ایک آہ نکلی تو ساری دیوداسیوں پر مسرت کے ساتھ ساتھ قدرت کے جلال و عظمت کا خوف چھا گیا۔ حیرت سے وہ ایک دوسرے کو دیکھتی رہ گئیں۔ انہوں نے ایسا کوئی معجزہ زندگی میں پہلی بار اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ بوڑھی دیوداسی تو خوشی کے مارے تھر تھر کانپنے لگی۔ کسی مردہ جسم میں دوبارہ زندگی کی لہر دوڑ جانا یقیناً کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

اسی بوڑھی دیوداسی نے سب سے پہلے یہ عجیب خوش خبری پجاری کو بھجی۔ پجاری نے اس پر یقین ہی نہیں کیا۔ حیران حیران سی نظروں سے وہ خبر لانے والی دیوداسی کو دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔

"لیکن یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ جو ایک بار پرلوک سدھار جاتا ہے واپس نہیں آتا"

داسی نے اپنی بات پر اصرار کیا تو پجاری نے اسے قدرت کا کوئی کرشمہ سمجھا۔ پھر جب اس نے جا کر جیوتی کو خود اپنی آنکھوں سے زندہ دیکھا تو فرط مسرت سے کانپنے لگا۔ وہ آگے بڑھا اور بوڑھی دیوداسی کے پیر چھوئے' پجاری کے چہرے پر عقیدت کے آثار تھے۔

چند ہی لمحوں میں اس پراسرار حادثے کی خبر سارے مندر میں پھیل گئی۔ وہاں موجود پجاری اور دیوداسیاں سبھی جیوتی کو دیکھنے کے لیے دوڑ پڑے۔

پجاری پہلے جیوتی کے شوہر کے پاس دوڑا۔ اسے یہ خبر دے کر وہ گویا ایک شدید غم سے خود بھی آزاد ہو جانا چاہتا تھا۔ وہ دیپک کو یہ بتاتا کہ قدرت جو

کرتی ہے' اچھا ہی ہوتا ہے۔ اسکے ہر کام میں کوئی مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے، ان کو اس کی ذات سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ انسان بھلا قدرت کے بھیدوں کو کیا جان سکتا!

خوشی کے عالم میں وہ اس کمرے تک پہنچا جہاں دیپک کو ٹھہرایا تھا' لیکن وہ چونک اٹھا۔ اس کے قدم اپنی جگہ جم کر رہ گئے۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ کمرہ خالی تھا۔ ہر شے پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ایک طاق پر رکھی ہوئی لالٹین ٹمٹما رہی تھی۔ فرش پر بچھی چٹائی خالی تھی۔ پاس ہی ایک تپائی پر دوات اور قلم اس نے رکھا دیکھا۔ دوات کے نیچے تہہ کیا ہوا ایک کاغذ نظر آیا۔ لپک کر اس نے وہ کاغذ اٹھالیا اور اسے کھول کر پڑھنے لگا۔ لکھا تھا۔

پجاری جی!

"آپ نے مجھے زندگی کا نیا راستہ دکھایا۔ مجھے جیوتی کی یاد میں زندہ رہنے پر مجبور کیا اور خودکشی جیسے پاپ سے باز رکھا۔ اس کے لیے بہت بہت شکریہ۔ آپ نے ٹھیک ہی کہا ہے۔ میں آپ سے متفق ہوں۔ اسی لیے جا رہا ہوں۔ میں اگر یہاں ٹھہر گیا تو خود کو اس پاپ سے نہیں بچا سکوں گا بھلا میں کس دل سے صبح اپنی جیوتی کے جسم کو چتا کے بھیانک لپٹوں میں جلتے جھلستے دیکھ سکتا ہوں! جیوتی میری روح ہے' میری جان ہے۔ اس کی یاد میں آخری سانسوں تک اپنے سینے سے لگائے رکھوں گا۔ مہربانی سے آپ میرا ایک کام کر دیجئے۔ جیوتی کی راکھ کو سنبھال کر رکھ لیجئے گا۔ میں ایک دن ضرور آؤں گا' اس کی راکھ لینے کے لیے! جب مجھ میں جینے کی قوت عود کر آئے گی۔ ابھی تو میں

اپنے اندر دکھ برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کر رہا ہوں۔

میں شانتی (سکون) کی تلاش میں شانتی نگر جا رہا ہوں۔ ایک بار میں وہاں بچپن میں گیا تھا۔ وہیں ایک مندر میں منت مانی تھی کہ خوب پڑھ لکھ جاؤں۔ وہ پوری ہو گئی۔ اب وہیں جا کر دوسری منت مانوں گا کہ مجھے جینے کی ہمت مل سکے' جیوتی کی محبت میرے دل سے نہ مٹے اور جب مروں تو اسی کے ساتھ میری روح کو بھی جگہ ملے۔

آپ کو اتنی ساری مہربانیوں کے لیے پھر ایک بار بہت بہت شکریہ! آپ کا بدنصیب۔"

پجاری نے پورا خط پڑھ لیا تو اس کی آنکھیں چھلک اٹھیں' دل پر ایک گہری چوٹ لگی۔ محبت میں کتنی مایوسی اور مایوسی میں کتنی تڑپ ہوتی ہے! یہ اسے آج ہی معلوم ہوا۔ وہ "بدنصیب" کون تھا اور کہاں سے آیا تھا' پجاری کچھ نہ جان سکا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کرے!

طاق پر رکھی لالٹین کی لو کپکپا اٹھی تھی۔ شاید تیل ختم ہو گیا تھا۔ اندھیرا بڑھ رہا تھا۔ بجلی کوندتی ہی رہی اور بادل گرجتے رہے' بارش ہوتی رہی۔ ہواؤں کا رخ وہی تھا۔ ٹھنڈ بڑھ رہی تھی۔ پجاری بوجھل بوجھل قدم اٹھاتا ہوا اس کمرے سے نکل آیا۔/

○..........○..........○

شام کا وقت تھا۔ ساگر کے اس پار سورج کا سرخ گولا گیند کی صورت پانی کی نقرئی سطح پر تیر رہا تھا۔ اس کے زیر اثر سمندر کا سینہ بھی سرخ دکھائی دے رہا تھا۔ ہواؤں کی شہ پر جب موجیں آسمان کو چومنے کی ناکام کوشش کرتیں تو ایسا محسوس ہوتا جیسے کسی بدنصیب کی چتا کے سرخ شعلے اپنی زبانیں پھیلا رہے ہوں۔ اس پر ایک مرد کا سایہ ایک چبوترے پر نظر آ رہا تھا۔ وہ ان الجھتی ہوئی موجوں میں گم بہت غور سے اپنے ارمانوں کی چتا کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی پلکوں پر آنسو ٹھہرے ہوئے تھے۔

لوگوں نے پچھلے کئی دنوں سے اسے اسی طرح یہاں گھٹنوں بیٹھے دیکھا تھا وہ بالکل خاموش رہتا تھا۔ اسے لوگوں نے پشوپتی ناتھ جی کے مندر کی چوکھٹ پر بھی کھڑے دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر غم کا اندھیرا ہونے کے باوجود اس قدر کشش تھی کہ ایک بار دیکھ لینے کے بعد کوئی مشکل سے اسے بھول سکتا تھا۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بھوکا' کمزور اور بیمار سا بھی ہے' لیکن وہ بھیک نہیں مانگتا' نہ کچھ کہتا' نہ پوچھتا۔ اسے صرف اپنی خاموشی ہی سے مطلب تھا۔

اس کی شخصیت لوگوں کی نظر میں کچھ پر اسرار سی تھی۔ کسی کو اس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔

کچھ دیر میں جب سورج کو سمندر نے اپنے اندر چھپا لیا تو ہلکی پھوار پڑنے لگی۔ وہ چونک اٹھا۔ اپنے گندے رومال سے اس نے چہرہ صاف کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اب اس کے قدم پشوپتی ناتھ جی کے مندر کی طرف اٹھ رہے تھے۔ روز ہی وہ ایسا کرتا تھا۔ سڑک سنسان ہوتی جا رہی تھی کیونکہ اس طرف کم ہی لوگوں کے مکانات تھے۔ وہ چلتا گیا' مندر کی جانب! گزشتہ راتوں کی طرح یہ رات بھی اسے وہیں گزارنی تھی۔

بارش تھوڑی تیز ہو گئی۔ ہر شے پر جیسے اداسی چھائی ہوئی تھی۔ سڑک کے کنارے لگے درختوں کے نیچے اسے پناہ لینے کی کوئی معقول جگہ دکھائی نہیں دی۔ قرب و جوار میں دو ایک بنگلے تھے لیکن چوکیداروں کے ڈر سے وہ ان کے اندر جانے کی ہمت نہ کر سکا۔

جب بارش اور بھی تیز ہو گئی اور اس کے کمزور پیر لڑکھڑانے لگے۔ بھوک سے وہ نڈھال ہو رہا تھا۔ اس سے برداشت نہ ہو سکا۔ چند قدم چل کر اس نے ایک بنگلے کا گیٹ کھولا۔ وہ لان میں آیا تو وہاں کا ماحول بارش میں بھی خوش گوار معلوم ہوا۔ چاروں طرف کیاریاں ہی کیاریاں نظر آ رہی تھیں۔ وہ آگے بڑھا تو عمارت کے صدر دروازے پر چھوٹی سی کار کھڑی تھی۔ برآمدے میں چڑھ کر وہ ایک جگہ بیٹھ گیا۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا۔ جلد ہی بارش کی آواز اس کے لیے لوری بن گئی۔ اس نے اپنی کمر دیوار سے ٹکا لی' آنکھیں بند کر لیں۔ اسی لمحے کسی کتے کے بھونکنے کی آواز سے وہ چونک اٹھا۔ کتا اسی کی طرف لپک لپک کر بھونک رہا تھا۔

تب ہی برآمدے سے لگے ایک کمرے کا دروازہ کھلا۔ اس کے ساتھ سامنے لان میں دور تک روشنی کی چادر پھیل کر بارش کی پھوار میں سما گئی۔ اندر سے ایک چوکیدار نکلا جس کے ہاتھ میں موٹا سا ایک ڈنڈا تھا۔ چوکیدار کو دیکھتے

ہی وہ لرز گیا۔

"کون ہے؟"

چوکیدار نے گرج کر پوچھا۔

"میں ہوں۔"

اس نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔

"میں کون"

"یہاں کیا کرنے آیا ہے؟"

چوکیدار نے ڈنڈے کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے دریافت کیا۔

"کچھ نہیں ..... بارش کے سبب یہاں پناہ لینے آگیا تھا۔"

"چل بھاگ یہاں سے!"

ڈنڈے کو اٹھا کر چوکیدار غرایا۔

"یہ بنگلا تیرے باپ کا ہے؟"

"جاتا ہوں ...... جاتا ہوں بھیا!"

یہ کہتے ہوئے سہم کر وہ اٹھا' لیکن اس کے پیر کانپ رہے تھے' جسم بو
بن رہا تھا اور بھوک کی وجہ سے آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا تھا۔ ا
وہ دو قدم ہی بڑھا ہو گا کہ معاً اس کا دل جیسے بیٹھنے لگا۔ سہارا لینے کے لیے ا
نے ہاتھ بڑھایا اور خود کو نہ سنبھال سکا۔ لڑکھڑا کر وہ ایک لاش کی طر
برآمدے کی سیڑھیوں سے لڑھکتا ہوا لان میں گر پڑا۔ بارش کی بوچھاڑ اس
چھا گئی۔ اس کا جسم گیلی مٹی میں لت پت ہو گیا۔ اس پر بے ہوشی یوں چھا
تھی کہ گرنے کے بعد وہ ایک مرتبہ بھی اٹھنے کی کوشش نہیں کر سکا۔ اب وہ
شے سے بے نیاز تھا۔

جس وقت اس کی آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی۔ سورج کی کرنوں پر زندگ
نور تھا۔ سب کچھ بدلا ہوا تھا۔ رات کی طوفانی سیاہی جانے کہاں گم ہو گئی تھی!
خود کو اس نے ایک ہسپتال میں پایا۔ اس نے اطراف کا جائزہ لیا۔ ڈا

وجوان اور خوب صورت تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ پاس ہی ایک
ڑکی بھی کھڑی تھی۔ لڑکی کا رنگ روپ بھی ڈاکٹر کی طرح تھا۔ وہ بھی مسکراتے
ہوئے بہت غور سے اسی کو دیکھ رہی تھی اس کی آنکھوں میں سرخ ڈورے
تھے۔ شاید یہ جوانی کا خمار تھا۔ وہاں دو نرسوں اور ایک چپڑاسی کو بھی اس نے
یکھا۔ سب پر نگاہ ڈال کر اس نے احسان مندی سے سر جھکا لیا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

ڈاکٹر نے چارٹ پر اس کا نام لکھنا چاہا۔

"دیپک۔"

یہ بتاتے ہی وہ جلدی سے بولا۔

"آپ اس چارٹ میں میرا نام مت لکھئے ڈاکٹر صاحب!"

"کیوں؟"

"میں یہاں بھرتی نہیں ہونا چاہتا"۔

اس نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔؟"

"لیکن کیوں؟"

ڈاکٹر نے تعجب سے پوچھا۔

"تمہاری طبیعت تو ابھی ٹھیک نہیں"۔

"یہ تو ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب' مگر......"

اس کے کہنے میں شرم دامن گیر تھی۔

ڈاکٹر نے بغور اسے دیکھا۔ نوجوان لڑکی بھی اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"میں آپ کے ہسپتال کا خرچ برداشت نہیں کر سکتا"۔

بیٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے کہہ ہی دیا۔

لڑکی مسکرا دی اور ڈاکٹر ہنس کر بولا۔

"ہم کسی کی مجبوری سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ تم یہیں پر اپنا علاج کراؤ۔
ب تک تم مکمل طور پر تندرست نہیں ہو جاؤ گے' ہم تمہیں ہرگز نہیں جانے

دیں گے"۔

ڈاکٹر نے چارٹ پر اس کا نام لکھا اور پوچھا۔

"عمر؟"

"بائیس برس"۔

"پتا؟"

"کوئی ٹھکانا نہیں ہے ڈاکٹر صاحب!"

وہ مایوس آواز میں بولا۔

"میں ..... میں ....."

"ہاں ہاں کہو!"

ڈاکٹر نے اس کی ہمت بندھائی۔ دیپک اس نوجوان لڑکی کی طرف دیکھ
لگا۔ اس کی وہاں موجودگی میں اسے کچھ کہتے ہوئے شاید شرم آ رہی تھی ڈا
اس پر کہنے لگا۔

"یہ میری بہن ہے چھایا اور میں پرکاش ہوں۔ کل تم جہاں بے ہوش
گئے تھے' وہ ہمارا ہی بنگلا ہے یہ ہمارا ہی ہسپتال ہے۔ تم بلا جھجک کہو' کیا
ہے؟" میں یہ کہنا چاہتا تھا

"ڈاکٹر صاحب جس شخص نے کئی روز سے کچھ نہ کھایا ہو' بھلا اس
رہنے کا ٹھکانا کہاں ہوگا!"

ڈاکٹر کو اپنے ہی سوال پر جیسے شرمندگی محسوس ہوئی۔ پھر اس کے
دیپک کے لیے گرم گرم دودھ منگوایا کھانے کو بھی کچھ اچھی اور مقوی چیز
منگوائیں۔

دیپک نے سیر ہو کر کھایا پیا۔ اس کے مردہ جسم میں چستی آگئی اور آنکھ
کی چمک مزید بڑھ گئی۔

"اگر آپ کو کوئی کام دیا جائے تو کریں گے؟"

اس بار چھایا اپنی سریلی آواز میں بولی۔

"ہاں دیپک"۔

ڈاکٹر نے بھی تائید کی۔

"اس سے تمہارا دل بھی لگا رہے گا اور تم ادھر ادھر بھٹکو گے بھی
نہیں۔"

"ہاں اور کیا!"

چھایا نے اسے بولنے کا موقع نہیں دیا۔

"لیکن یہاں کام کرنے کے لیے اپنا حلیہ سنوارنا پڑے گا۔ دیوانوں کی
جیسی شکل یہاں نہیں چلے گی۔"

"جی!"

چھایا کی اس صاف گوئی اور شوخی پر وہ چونک اٹھا۔

ڈاکٹر ہنس دیا نرسیں بھی مسکرانے لگیں۔ ڈاکٹر نے کہا۔

"اس کی بات کا برا نہ ماننا۔ یہ بچپن ہی سے بہت شریر ہے"۔

دیپک مسکرا کر رہ گیا۔ چھایا پھر چہکی۔

"صورت سے آپ مجنوں زیادہ پڑھے لکھے کم لگتے ہیں۔ ویسے اپنی تعلیم
کے بارے میں بتائیے تو ہم آپ کے لیے کوئی کام دھام سوچیں۔"

"ارے!"

دیپک چونک اٹھا۔

"اب تک میرے امتحان کا نتیجہ بھی نکل آیا ہوگا' ڈاکٹر صاحب! آپ
بنارس ہندو یونیورسٹی کا نتیجہ کہیں سے منگوا سکتے ہیں؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں!"

ڈاکٹر پرکاش نے اسے حیرت سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

آپ کس امتحان میں بیٹھے تھے؟"

چھایا نے اس کی آنکھوں کی چمک کو پرکھا۔

"ایم اسی سی کے امتحان میں۔ کوئی وجہ نہیں کہ میں فرسٹ کلاس فرسٹ

نہ آؤں!"

ڈاکٹر پرکاش اور چھایا حیرت زدہ رہ گئے۔ ڈاکٹر نے سوال کیا۔

"اتنا پڑھ لکھ کر بھی اس طرح بھٹکنے کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟"

"ہو گا کوئی پریم وریم کا چکر"۔

چھایا یہ کہہ کر ہنس پڑی۔

دیپک کو اس کی ہنسی اچھی لگی۔ کوئی دکھ جیسے کبھی اس نے سہا نہ تھا۔ اس کی زندگی کتنی بے پروا اور بے فکر تھی! ایسے خوش نصیب کم ہوتے ہیں۔ وہ کچھ نہیں بولا اور اپنی نظریں جھکا لیں۔ تب ہی ایک نرس نے آ کر بتایا کہ ایک مریض کی حالت بہت نازک ہے۔ ڈاکٹر پرکاش اٹھ کر چلا گیا۔ دونوں نرسیں بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دیں۔

دیپک کے پاس چھایا اکیلی رہ گئی۔ دیپک نے اس سے پوچھا۔

"آپ پڑھتی ہیں کیا؟"

"جی نہیں"۔

چھایا بولی اور آگے بڑھ کر اسی کرسی پر بیٹھ گئی جہاں سے ڈاکٹر پرکاش اٹھ کر گیا تھا۔

"بھیا کے ساتھ یہاں پر پریکٹس کر رہی ہوں۔ ویسے یہاں میرا دل نہیں لگتا۔"

"کیوں؟"

پیروں کو سمیٹ کر اس نے اپنے گھٹنے موڑ لئے۔

"میں غیر ملک جانا چاہتی ہوں۔ بھیا کوشش تو کر رہے ہیں، دیکھئے کیا ہوتا ہے!"

"میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔"

"شکریہ!"

چھایا نے کہا اور پھر اچانک سنجیدہ ہو گئی۔

"میری بات کا آپ نے برا تو نہیں مانا تھا؟"

"کس بات کا؟"

دیپک نے متعجب ہو کر پوچھا۔

"یہی جو میں نے کہہ دیا کہ آپ کی صورت مجنوں جیسی ہے وغیرہ وغیرہ۔"

دیپک ہنس دیا۔ اس کی ہنسی گواہ تھی کہ اسے چھایا کی کوئی بات بری نہیں لگی۔ چھایا کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔

کچھ دیر بعد جب نائی نے آ کر دیپک کا شیوہ بنا دیا تو چھایا مسکراتے مسکراتے سنجیدہ ہو گئی۔ اسے یوں لگا جیسے وہ قدرت کا کوئی شاہکار دیکھ رہی ہے۔ وہ کھو سی گئی۔ اس کے دل کی دھڑکنوں میں اضافہ ہو گیا۔ دیپک کے نقش و نگار اس کے دل کی گہرائی میں اترتے چلے گئے۔

چند روز میں دیپک کی صحت کافی سنبھل گئی۔ چہرے کی شگفتگی لوٹ آئی۔ آنکھوں کی مخصوص چمک تیز ہو گئی ہونٹوں پر چھائے ہوئے سسکیوں کے سائے ماند پڑ گئے اس نے محسوس کیا کہ ان سب باتوں کے پیچھے ڈاکٹر پرکاش سے زیادہ چھایا کا ہاتھ ہے۔ دن تو دن، رات میں بھی کسی دوسرے مریض کو دیکھنے کے بہانے وہ اس کے پاس حال چال پوچھنے چلی ہی آتی تھی۔ دیپک کو اب ایک علیحدہ کمرہ مل چکا تھا، ہسپتال کے کنارے اس کمرے میں دو کھڑکیاں تھیں، ایک لان کی طرف اور دوسری سڑک کے اس پار خاموش ماحول کی جانب کھلتی تھی۔

چھایا اس کے پاس آتی تو عموماً وہ جاگتا ہوا ملتا۔ جیوتی کے تصور کے سوا سوچنے کو اور تھا بھی کیا! وہ تنہا ہوتا تو اس کی آنکھوں میں جیوتی کا حسین چہرہ ہی گھومتا رہتا، لیکن اب اس کی تنہائی کو چھایا کا سہارا بھی مل گیا تھا۔ اگر اسے آتے دیکھ کر دیپک آنکھیں بند کر لیتا تو چھایا بہت پیار سے اس کی کلائی تھام کر بخار دیکھتی۔ پھر بہت نرمی سے اس کے جسم پر لحاف ڈال کر چند لمحوں تک اسے دیکھتی رہتی اپنی بند آنکھوں کے باوجود وہ چھایا کی نظروں کو محسوس کر لیتا۔

کئی بار چھایا نے خود اپنے ہاتھوں سے اس کے بیڈ کی چادر بدلی تھی' اس کا منہ بھی دھلایا تھا' اپنے نازک ہاتھوں سے تولیا لے کر اس کا چہرہ صاف کیا تو بہت نزاکت سے جیسے وہ اپنا چہرہ صاف کر رہی ہو۔ چھایا اسے خود دوا پلاتی' سوئی لگاتی' پھر اپنا خیال رکھنے کی تاکید کرتی جاتی۔

دیپک اس کے جذبات کو سمجھ چکا تھا' آنکھوں کی چمک اور ہونٹوں کی مسکراہٹ کا اندازہ لگا چکا تھا۔ لیکن اس پر بھی وہ خاموش رہا۔ خاموشی ہی میں اس نے بھلائی سمجھی۔ ڈاکٹر پرکاش کے احسان کا بدلہ دینے کے لیے اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ چھایا کی خدمت گزاری پر اس کا دل دکھانا دیپک کو بے رحم محسوس ہوا' لیکن وہ جیوتی کو فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ جیوتی کی یادوں کے سہارے تو وہ اب تک زندہ تھا۔ جیوتی کی مانگ میں اس نے سیندور بھرا تھا۔ وہ تو اس کی جنم جنم کی ساتھی تھی۔ اس کے تصور سے تو اسے بڑا سکون ملتا تھا۔ چھایا جتنی گہری ہو گی' جیوتی اتنی ہی تیز چمکے گی' یہ اسے معلوم تھا۔ چھایا نے بھی اس کا ساتھ نہ چھوڑنے کی قسم کھا رکھی تھی جیوتی کو اپنے دل سے لگا کر رکھنے کے باوجود وہ چھایا سے اپنا دامن نہیں چھڑا سکا۔ دیپک میں جیوتی کے ساتھ ہی چھایا کا بھی وقار ہے۔

ایک شب دیپک اپنے کمرے میں یوں ہی خاموش کروٹ لئے لیٹا تھا۔ اور کھڑکی سے دور کے اندھیرے کو دیکھ رہا تھا۔ بارش کی موٹی موٹی بوندوں کے پیچھے سڑک کے کنارے کی بتیاں بجھ چلی تھیں۔ نصف شب گزر چکی تھی۔ سوائے بارش کی رم جھم کے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

"نیند نہیں آ رہی کیا؟"

چھایا اچانک اس کے کمرے میں آ گئی اور پیشانی چھو کر بخار دیکھنے لگی۔

وہ کچھ نہ بولا۔ چھایا کو اس وقت دیکھ کر دل پر ایک نامعلوم سا خوف چھا گیا۔ چھایا آج رات شاید سوتے سوتے اٹھ کر چلی آئی تھی۔ شانوں پر اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ جسم پر شب خوابی کا لباس تھا۔ دیپک اسے حیرت سے

دیکھنے لگا۔

"یوں کیا دیکھ رہے ہیں آپ؟"

وہ یہ سوال کرتے ہوئے خود ہی شرما سی گئی۔

"کچھ..... کچھ بھی نہیں"۔

اس نے کہا اور نظریں دوسری طرف پھیر لیں۔

"کچھ تو ضرور تھا جو آپ مجھ میں تلاش کر رہے تھے!"

وہ دیپک کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"ایک جیوتی کی تلاش کر رہا تھا"۔

دیپک کھوئی ہوئی سی آواز میں بولا۔

"اس جیوتی (روشنی) کو چھایا میں تلاش کر لیجئے"۔

چھایا نے کہا۔

"جیوتی اندھیرے ہی میں ملتی ہے' دن کے اجالے میں نہیں۔"

دیپک نے پھر چھایا کی طرف نگاہ اٹھائی۔ بڑی بڑی خمار آلود آنکھیں' دراز پلکیں' نقوش تیکھے' ہونٹوں کے ابھار میں اب پہلی سی بے فکری نہیں رہ گئی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ چھایا کا کچھ کھو گیا ہو اور وہ اسے ڈھونڈتی پھرتی ہے۔ پہلے جیسی چمک' باتیں اور لبوں پر کھیلتی رہنے والی مسکراہٹ کچھ دن سے جانے کہاں غائب ہو گئی تھی! چھایا کے روپ میں اس نے اب بھی بہت کچھ دیکھا' بہت غور سے' بہت دیر تک! اس کی آنکھوں میں بنارس کی صبح نظر آئی۔ کالی کالی آنکھوں میں اس نے مرگھٹ کی وہ طوفانی رات بھی دیکھی جو اس کے دل پر ایک انمٹ نقش چھوڑ گئی تھی۔ گورا رنگ' خاموش لب' کھلے گیسو! تصورات کی ایک تصویر چھایا کے پیکر میں اس کے مقابل آ گئی تو ہاتھ بڑھا کر اس چہرے کو تھام لیا۔ پیار سے وہ ان آنکھوں میں دیکھتا ہی گیا اور اس کی جیوتی سامنے آتی گئی۔ بالکل قریب! اس کا دل چاہا کہ اس جیوتی کو اپنی بانہوں میں سمو لے۔ شاید وہ ایسا کر بھی گزرتا۔ جیوتی کے سوا اس کے ذہن اور تصور میں کچھ بھی نہیں

تھا۔

تب ہی پہلو کے کمرے سے ایک مریض کے کراہنے کی آواز بلند ہوئی اور دیپک چونک اٹھا۔ اس نے دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھوں میں چھایا کا چہرہ لئے ہوئے ہے۔ چھایا ہی اس کے سامنے بیٹھی ہے اور کوئی نہیں۔ ہاتھوں کو جھٹک کر اس نے الگ کیا اور شرمندہ سا ہو کر نظریں جھکا لیں۔

چھایا کے دل میں اپنی محبت کی مٹھاس کے لئے ہزاروں پھول کھل اٹھے۔ بہت شوخی سے اس نے ہاتھ بڑھا کر دیپک کے الجھے بالوں کو اور الجھا دیا اور مسرتوں کا خزانہ سمیٹتی ہوئی وہاں سے اچانک اٹھ کر بھاگ گئی۔ چھایا کی جو شے کھو گئی تھی، شاید آج رات اس نے ڈھونڈ لی تھی۔

اس رات کے بعد چھایا کا زیادہ تر وقت ہسپتال ہی میں گزرنے لگا۔ اب تو وہ جب بھی آتی ایک ڈاکٹر سے زیادہ شاخ پر کھلا ہوا کوئی پھول معلوم ہوتی۔ بناؤ سنگار میں بھی تبدیلی آ گئی تھی۔ روز نئی ساڑھیاں، بالوں کی سجاوٹ، لبوں پر کامیابی کی مسکراہٹ، ہر بات بدلی بدلی سی تھی۔ چلتی تو اس انداز سے گویا اس نے کوئی بہت بڑی دنیا فتح کر لی ہو۔ چلتے چلتے اس کے قدم عموماً دیپک ہی کے کمرے کی طرف اٹھنے لگتے۔ وہاں پہنچ کر جب اسے اپنا مقصد یاد آتا تو چونک کر مسکرا دیتی۔ پھر وہ دیپک کو دیکھ کر واپس چلی جاتی۔ دیپک اس اچانک تبدیلی سے باخبر تھا۔ وہ اس کی وجہ بھی جانتا تھا۔ لیکن چپ ہی رہا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ چھایا کے بارے میں نہ سوچے اور اکثر اس میں کامیاب بھی ہوا۔ لیکن جب چھایا ایک حقیقت بن کر سامنے آ کھڑی ہوتی تو وہ لاچار ہو جاتا۔ اسے مسکرا کر چھایا کا استقبال کرنا پڑتا، باتوں کا جواب دینا پڑتا۔ وہ جس قدر چھایا سے نظریں چراتا، وہ اسی قدر اس کے قریب آتی جاتی۔ یہ اس کا عزم تھا کہ سخت سے سخت امتحان میں بھی جیوتی کے لیے اس کے دل میں بسا ہوا پیار کم نہیں ہو گا۔ جیوتی کی محبت میں وہ اپنی جان بھی دے دے گا۔ چھایا سے بچنے کے لیے اسے عقل کی ضرورت تھی۔ اس کے بھائی کا احسان؟ اس کی خدمت گزاری کا ثمر؟ کسی

عورت کا دل یوں صاف الفاظ میں توڑ دینا مناسب نہیں تھا۔ وہ سوچتا، چھایا شاید اس کی صاف گوئی کو برداشت نہ کر سکے۔ اسے دوسرے طریقے سے سمجھانا ہو گا۔ جس تیزی سے وہ اس کے قریب آ جانا چاہتی ہے، اسی تیزی سے اسے پیچھے دھکا دینے سے اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔ پھر وہ اس کے بارے میں کیا سوچے گی؟ اس نے فیصلہ کر لیا کہ اگر وہ چاروں طرف سے گھر کر اس امتحان میں ڈگمگانے لگا تو چھپ کر یہاں سے بھاگ جائے گا، کہیں دور جہاں چھایا کا تصور بھی نہ جا سکے۔ اسے صرف جیوتی سے نسبت ہے۔ اسی کے تصور میں کھو کر اپنی ذات کو گھلائے ہوئے وہ ایک فطری موت کا آرزو مند تھا۔ اسی میں اس کا حقیقی سکون تھا۔ یہی اس کی آروز، یہی عزم تھا۔

ایک رات وہ اسی طرح الجھنوں میں کھویا ہوا تھا کہ حسب معمول چھایا آ گئی۔ بیڈ پر بیٹھ کر وہ مسکرائی اور دیپک کی کلائی تھام کر نبض کی رفتار دیکھنے لگی۔

"اب تو آپ بالکل صحت یاب ہو چکے ہیں"۔

چھایا بولی۔

"یہ سب تمہاری اور ڈاکٹر پرکاش کی مہربانی کا نتیجہ ہے۔"

"ہاں، ہے تو ایسا ہی"۔

چھایا چہکی۔

"احسان چکا دیجئے"۔

"کیا میں اس لائق ہوں؟"

"ہاں ہاں، کیوں نہیں"۔

چھایا نے کہا اور اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر بولی۔

"وقت آنے دیجئے تو حساب مانگ لوں گی۔"

دیپک نے ایک پل سوچا، پھر اپنے دوسرے ہاتھ سے چھایا کا وہ ہاتھ پکڑ لیا جس سے وہ اس کی انگلیوں کو گرفت میں لے رہی تھی۔

"چھایا!"

وہ بولا۔

"کیا تم مجھ سے بہت پیار کرتی ہو؟"

چھایا نے شرما کر اقرار میں سر ہلا دیا۔

"لیکن چھایا، تمہیں نہیں معلوم کہ میں کتنا مجبور ہوں۔"

دیپک جیسے دل کے درد سے تڑپ کر بولا۔

"میری شادی ہو چکی ہے"۔

چھایا کا دل زور سے دھڑکا اور دیپک کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا، آنکھیں نم ہو گئیں اور خون کی رفتار جیسے تھم گئی۔

"یہ حقیقت ہے چھایا کہ میں اس دنیا میں بالکل اکیلا ہوں"۔

دیپک اس کے دل کی حالت کا اندازہ لگا کر کانپ گیا۔

"میری بیوی مر چکی ہے چھایا! لیکن اس کا خیال میں اپنے دل سے لمحے بھر کو بھی نہیں نکال سکتا۔ میں اس سے بہت پیار کرتا ہوں، مرنے کے بعد اس کی پوجا کرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنی موت کے بعد ہم دونوں کی روح جہاں بھی رہے۔ ایک ساتھ رہے۔ وہ بہت حسین تھی چھایا، بے حد حسین!"

چھایا کے دل میں سکون کا ایک سوتا پھوٹ نکلا، لبوں پر مسکراہٹ آنے کو مچل اٹھی، لیکن موقع کی نزاکت کو محسوس کر کے خود پر قابو پا لیا۔ کچھ دیر سوچ کر وہ بولی۔ "مجھے دکھ ہے کہ آپ نے اس کم عمر میں اتنے شدید غم کا بوجھ برداشت کیا، مگر قدرت کی مرضی کے خلاف کچھ بھی تو نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اپنی بیوی کو بھول جائیں، ان کا غم دل سے نکال دیں۔ آپ نہیں جانتے کہ زیادہ رنج و غم سے روحوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ ان کے غم میں تڑپتے رہنے سے انہیں بھی سکون نصیب نہیں ہو گا۔ میرا کہنا مانئے اور زندگی کو نئے ڈھنگ سے نئی راہ پر ڈال دیجئے۔ ابھی آپ کا کچھ نہیں بگڑا ہے زندگی کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ یوں آسانی سے یہ عمر نہیں کٹ

جاتی"۔

"لیکن ......" دیپک نے مخالفت کرنا چاہی۔

"لیکن ویکن کچھ نہیں!"

چھایا گویا پورے حق کے ساتھ بولی۔

"میں آپ کے ساتھ ہوں۔ مجھے اپنا بنا کر دیکھئے تو زندگی کی اصل حقیقت کا اندازہ ہو گا"۔

پھر چھایا نے پوچھا۔

"کیا نام تھا آپ کی بیوی کا؟"

دیپک نے جیوتی کا نام بتا دیا تو وہ کہنے لگی۔

"نام تو بہت پیارا ہے، لیکن دیپک سے جیوتی کا ساتھ صرف رات بھر کا ہوتا ہے۔"

دیپک کو وہ رات یاد آ گئی جب اس نے جیوتی کی مانگ میں سیندور بھرا تھا۔ ایک ہی رات تو وہ جیوتی کے ساتھ رہا تھا!

چھایا اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"اب وہ رات بیت چکی ہے۔ پھر بھی آپ آنکھیں بند کئے اندھیرے کا احساس کرنا چاہتے ہیں .....؟ چھایا کا ساتھ دیپک سے دن اور رات کا ہے۔ اس وقت جب دیپک کے پاس جیوتی ہو اور اس وقت بھی جب دن کے اجالے میں دیپک بغیر جیوتی کے ہو۔"

چھایہ یہ کہتے کہتے جذباتی ہو گئی اور

"آپ"

سے

"تم"

پر اتر آئی۔

"مگر چھایا! یہ ..... یہ سب غلط ہو گا۔"

دیپک نے کہا۔

"کیا غلط ہو گا؟" چھایا زور دے کر بولی۔

"یہی غلط کر رہی ہوں میں کہ آپ کو جینے کا راستہ دکھا رہی ہوں؟ آپ کے دکھ درد بانٹ رہی ہوں؟ آپ کی زندگی میں خوشیوں کے موتی بکھیر رہی ہوں، کیا یہی سب غلط ہے؟ میں آپ کو پیار کرتی ہوں' دل کی گہرائیوں سے چاہتی ہوں' مجھ سے اسی لئے آپ کی اداسی دیکھی نہیں جاتی' میں ..... میں تو آپ کے آنسو پونچھنا چاہتی ہوں اور ...... اور آپ خود بھی تو یہی چاہتے ہیں"۔

"میں .....؟ میں یہ چاہتا ہوں؟"

دیپک حیرت زدہ رہ گیا۔

"ہاں آپ!"

چھایا نے پرزور آواز میں جواب دیا۔

"اگر آپ ایسا نہیں چاہتے تو کیوں اس رات میرا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا؟ کیوں اتنی دیر تک میری آنکھوں میں ڈوبے رہے تھے؟ کیوں میری زلفیں سنواری تھیں؟ کیا میں چلتی پھرتی آوارہ سستی سی عورت ہوں کہ جو آپ نے جب چاہا ہاتھ لگا دیا' جب چاہا تو ہٹا لیا؟ کیا ..... کیا میری کوئی قیمت نہیں' عزت نہیں کہ میرے سہارے آپ کسی اور کے تصور میں کھوئے رہیں؟"

"نہیں' نہیں چھایا .....! یہ بات نہیں۔"

دیپک نے گھبرا کر کہا۔ اس نے چھایا کی آنکھوں میں آنسو تیرتے دیکھے۔ بات کو سنبھالنا اس کے لیے ضروری ہو گیا۔

وہ بولا

"تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔ میں ..... میں ....."

اور پھر وہ خود ہی خاموش ہو گیا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ چھایا کو کس طرح مطمئن کرے! چھایا کو وہ رنجیدہ بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ نیز جیوتی کی یاد کو

بھی وہ کسی قیمت پر ٹھکرانے کو تیار نہیں تھا۔

اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ جلد ہی یہاں سے کہیں دور چلا جائے گا۔ ہاں یہی مناسب ہو گا۔ نئی خوشیوں اور نئی زندگی کے لالچ سے وہ جتنا بھی دور رہے' اچھا ہی ہو گا۔

چھایا کی آنکھوں کے آنسو رخساروں پر بہہ نکلے' ہونٹ کانپنے لگے' پہلی ہی محبت میں اسے اتنی دل شکن ناکامی ہوئی تھی۔ اس کا دل ٹوٹ گیا۔

وہ اٹھ کر چلنے لگی تو دیپک سے رہا نہ گیا۔ عورت کے آنسو کسے متاثر نہیں کرتے! اس نے چھایا کا ہاتھ تھام لیا اور بولا۔

"کیا مجھ سے تم خفا ہو گئیں؟"

"مجھے خفا ہونے کا حق دیا ہے آپ نے؟"

چھایا نے رندھی ہوئی آواز میں کہا اور ہاتھ چھڑا کر سسکتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

اس کے بعد چھایا کئی دن تک کمرے میں نہیں آئی۔ وہ اپنے آپ سے اور دوسری آزمائشوں سے آزاد تھا۔ مسلسل اپنی جیوتی کے خیالات میں ڈوبے رہنے کے باوجود وہ جانے کیوں چھایا کے حق میں سوچنے پر مجبور ہو جاتا۔ چھایا کی چھایا اس کے صفحہ ذہن پر جیسے چپک کر رہ گئی تھی۔ چھایا کا دل دکھا کر اس نے اچھا نہیں کیا۔ وہ سوچتا۔ اس کے احسانوں کا بدلہ کیا یہی تھا؟ وہ سوچتا۔ وہ تو جو کچھ کہہ رہی تھی' اسی کی بھلائی میں تھا۔ بھلا چھایا کو کیا کمی ہے کہ اپنی راہ میں کانٹے بچھائے! یہ تو اس کی اعلیٰ ظرفی ہے جو اتنی بڑی ڈاکٹر' گھر کی اچھی اور خوبصورت ہونے کے باوجود اس کا اور صرف اس کا خیال رکھتی ہے۔ اپنے سلوک پر وہ پچھتایا۔ اس نے سوچ لیا کہ اب چھایا کی قربت سے بچنے کے لیے وہ کوئی اور راستہ اختیار کرے گا' لیکن وہ راستہ ہو بھی کیا سکتا ہے؟ ہاں اسے منا کر' اس کے دل میں سے میل صاف کر کے وہ جلد ہی یہاں سے چلا جائے گا۔ جانا بھی چاہئے ورنہ کہیں چھایا کی چھایا (سایہ) میں آ کر اس کی جیوتی مدھم ہو کر ا

بجھ گئی تو ساری پوجا اکارت چلی جائے گی۔ پھر وہ کہیں کا نہیں رہے گا۔

کئی بار اس نے نرسوں سے چھایا کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ خوش و خرم ہے اور ہسپتال بھی آتی ہے۔ اسے اب افسوس ہونے لگا کہ چھایا یہاں آکر بھی اس سے دور رہنے لگی ہے۔ اس نے ایک مرتبہ محسوس کیا کہ چھایا برابر والے کمرے میں ہے' یہ بھی دیکھا کہ وہ اس کے دروازے کے سامنے سے جا رہی ہے' لیکن دیپک کے پاس نہیں آتی۔ یقیناً چھایا اس سے ناراض تھی اور دانستہ اسے نظرانداز کر رہی تھی۔

دیپک جب ایک رات جیوتی اور چھایا کی باتیں ایک دوسرے میں جوڑ کر توڑ رہا تھا تو اچانک چھایا اس کے پاس آدھمکی۔ وہ اسے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں آپ سے ملنے آئی ہوں۔"

چھایا ایسے لہجے میں بولی جیسے اپنا سب کچھ ہار چکی ہو۔

"کل میں صبح کے پلین سے لندن جا رہی ہوں' ایم ایس کرنے۔"

اس نے چھایا کے چہرے پر نام کو شگفتگی نہیں دیکھی' ہمیشہ لبوں پر رہنے والی مسکراہٹ غائب تھی' آنکھوں کی چمک کی جگہ سایہ سا رینگ رہا تھا' ٹوٹے دل کا سایہ!

"مجھ سے جو بھی غلطی ہوئی اسے درگزر کر دیجئے۔"

چھایا نے پھر کہا۔ اس کی آنکھیں چھلک آئی تھیں۔

"بیٹھو گی نہیں چھایا؟"

وہ دل پر جبر کر کے بہ مشکل بولا۔

چھایا نے ایک اپل اسے دیکھا اور لب کانپے۔ شاید وہ بیٹھنا نہیں چاہتی تھی' پھر بھی بیٹھ گئی' وہیں اس کے بیڈ پر اور نظریں جھکا لیں۔

"مجھ سے اس قدر ناراض ہو؟"

دیپک نے کچھ سوچ کر اس کی نازک کلائی تھام لی۔ چھایا کو اس طرح رلا کر جدا کرنا اسے اچھا نہیں لگا۔ اتنی دور اپنے وطن سے وہ دوسرے ملک جا رہی

تھی! اس کی اتنی ساری مہربانیوں کے عوض اسے آنسو دے کر وداع کرنا انسانیت نہیں ہوگی۔ اس نے سوچا۔ اب تو وہ جا رہی ہے۔ پھر وہ اس کے لوٹنے تک یہاں کب رہے گا! اسے اپنی محبت کی ایسی سخت آزمائش کا بھی مقابلہ نہیں کرنا پڑے گا۔ مناسب یہی ہے کہ وہ چند ساعت کے لیے چھایا کا دل رکھ لے' اس سے اپنے برتاؤ کی معافی مانگ لے تاکہ چھایا پھر مسکرا اٹھے' بے چاری کس قدر اداس ہے! اس عمر میں تو لڑکیاں مسکراتی ہوئی ہی اچھی لگتی ہیں۔

چھایا نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

"مجھے معاف نہیں کرو گی چھایا؟"

وہ بولا تو چھایا سسک اٹھی۔ دیپک نے کہا۔

"میں اپنے سلوک پر شرمندہ ہوں۔ بھلا دیکھو تو تمہارے لیے سوچتے سوچتے میری کیا حالت ہو گئی ہے!"

چھایا نے نظریں اٹھائیں دیپک میں واقعی اس نے ایک تبدیلی دیکھی۔ ایسا محسوس ہوا کہ وہ دوبارہ کسی مہلک مرض کا شکار ہو گیا ہے' پھر بیمار رہنے لگا ہے۔ وہ اس کے سینے سے لگ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی دیپک اس طرح بیٹھا رہ گیا۔ چھایا کے انفاس کی خوشبو اس کے حواس میں محیط ہو گئی!

○..........○..........○

وقت نے کروٹ بدلی جیوتی صحت یاب ہو گئی۔ اس نے نیا لباس پہنا تو
خیز کلی کے مانند کھل اٹھی۔ اس میں ایک نیا روپ' نیا نکھار' نئی طاقت عود
آئی۔ تن کو آزادی حاصل ہوئی اور من کو آسودگی۔ ان باتوں کا اندازہ جہ
اسے پہلی بار ہوا تو ایسی مسرت حاصل ہوئی جس کے متعلق کبھی سوچا بھی نہ
تھا۔ جیسے اسے جنم بھر کی قید سے نجات مل گئی ہو۔ اپنے شہر سے بہت دو
آسمان کی کھلی چھاؤں میں' قدرت کی اس وسیع و عریض زمین پر' بھگوان
قدموں میں اس کو یہ نئی زندگی بہت عزیز تھی۔ اپنے گھر کی تو یاد سے بھی ا
نفرت ہونے لگی تھی۔ اس کا سوتیلا ماموں! کتنی گندی آنکھیں تھیں اس
اونہہ! کلوا کہیں کا! وہ سوچتی رہی۔ پھر اسے اپنی سوتیلی ماں کا خیال آیا۔ وا
تو اپنے بھائی کی ہم خیال تھی۔ کہتی تھی' امتحان ختم ہوتے ہی اسے ماموں
ساتھ گاؤں بھیج دوں گی۔ پھر چاہے وہ کسی سے بھی اس کی شادی کر د
شادی تک ہی بات ہوتی تو وہ برداشت کر لیتی' لیکن وہ تو خود اس سے
باندھے بیٹھا تھا۔ کسی اور کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ تھمانے سے پہلے وہ
ارمان پورے کر لینا چاہتا تھا۔ کتنا بڑا پاپی تھا وہ! اس کے لیے کسی بو

زمیندار سے اس نے بات بھی کر لی تھی۔ پانی میں رہ کر مچھلی کب تک مگرمچھ سے بیر رکھ سکتی تھی۔ اگر اس کے والدین زندہ ہوتے تو کسی کو اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ ہوتی۔ خوش نصیبی تھی کہ باپ کا انتقال اس وقت ہوا جب وہ بی۔ ایس۔ سی۔ میں پڑھ رہی تھی۔ ماں کی یاد سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر بھی وہ اب بہت خوش تھی۔

عارضی موت کے بعد جیوتی کو ایک نئی زندگی ملی تھی' ایسی زندگی جو قدرت کا عطیہ تھی۔ اس جنم میں وہ اپنی بھرپور انگڑائی کے ساتھ ظاہر ہوئی تھی' کنواری بن کر نہیں بلکہ سہاگن بن کر! قدرت اس پر کتنی مہربان تھی!

وہ سہاگن ہے۔ اس کا شوہر زندہ ہے اور ایک روز ضرور اس کی راکھ لینے آئے گا۔ کس قدر مایوس ہو کر وہ یہاں سے گیا ہے لیکن جب آئے گا تو اسے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آئے گا۔ پھر وہ اپنے پیار' اپنی محبت کا نذرانہ پا کر خوشی سے دیوانہ ہو جائے گا۔ وہ اپنی نئی زندگی پر اس سے مبارکباد لے گی' اس کا شکریہ ادا کرے گی' پھر شب و روز اس کی خدمت میں ساری زندگی گزار دے گی۔ جیوتی یہی سب کچھ سوچتی رہتی۔ میرا نے اسے بتایا تھا کہ وہ بہت خوبصورت ہے۔ پجاری نے بھی انہیں حسین جوڑا کہا تھا۔ لمبا قد' گورا رنگ' چہرے کے کھڑے کھڑے نقوش بڑے ہی دل نشین ہیں' آنکھوں میں ایسی چمک ہے کہ دیکھنے والوں کی نظریں نہ ہٹیں۔ اسے پا کر کتنی خوش نصیب ہے وہ! اس کا شوہر' اسے نئی زندگی دینے والا' اس کو تمام مشکلات سے نکالنے والا' مگر کیسا ستم ہے کہ وہ اس کا نام تک نہیں جانتی! کبھی اسے دیکھ بھی نہیں سکی! ایک بار اس نے کوشش بھی کی تھی' لیکن تب وہ اپنے دوستوں میں گھرا ہوا تھا۔ میرا نے اتنی زور سے مذاق میں کچھ کہا تھا کہ آس پاس کی سبھی عورتیں اسے دیکھنے لگی تھیں۔ پھر بھی اس نے اپنے محبوب کو دیکھنے کی جسارت نہیں کی۔ سوچ لیا تھا تنہائی میں کبھی تو اس سے بات کرنے کا موقع مل ہی جائے گا۔ بات نہ سہی دیکھنے کا موقع ہی وہ ڈھونڈنے لگی' بہت قریب سے بہت جلد ہی! لیکن کیسی بد!

قسمتی تھی کہ اس کی یہ تمنا کبھی پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکی۔

اب جیوتی کو یقین تھا کہ ایک روز وہ اس مانوس اجنبی کو دیکھ لے گی جو اس کا سب کچھ ہے۔ وہ آئے گا' ضرور آئے گا۔ اسے آنا ہی ہے۔ پجاری نے اس کے شوہر کی ایک ایک بات اسے بتا دی تھی۔ کیسے وہ آیا' کس طرح پھوٹ پھوٹ کر رویا اور کیوں وہ جان دے دینا چاہتا تھا! جیوتی نے اپنے تصور میں اس کی ایک حسین تصویر بنا لی تھی۔ میرا اور پجاری کے بتائے ہوئے نقش و نگار کو اس نے اپنے دل میں بسا لیا تھا۔ جیوتی کو فخر سا محسوس ہوتا کہ اس کا محبوب اسے اتنی شدت سے چاہتا ہے۔

جب صبح سے شام ہونے لگتی' جب جنگل کے سائے وقت سے پہلے ہی اندھیرے میں ڈھل جاتے' جب شفق کی سرخی چھپ جاتی اور جب پرندے اپنے اپنے گھونسلوں میں آرام کرنے لوٹ جاتے تو وہ بہت مایوس ہو کر پجاری کے قدموں میں جا گرتی' آنسو بہاتی' سسکنے لگتی۔ پجاری شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا' اسے دلاسا دیتا' صبر کے پھل کا راز بتاتا اور محبت کے معنی سمجھتا۔ جیوتی روتی اور سسکتی رہتی۔

"تیرا پیار ایک دن ضرور لوٹ کر آئے گا۔ زندگی ہے تو امید ہے۔ وہ مجھ سے وعدہ کر کے گیا تھا۔"

پجاری بار بار یہی کہتا۔

جیوتی کے جینے کا بس ایک ہی سہارا تھا۔ ہار! یہی وہ ہار تھا جو اس کے شوہر نے اپنے ہاتھوں سے اسے اپنا کر سہاگن بنا دیا تھا۔ وہ آئینے کے سامنے جا کر کھڑی ہو جاتی' اچھی طرح اپنی نوک پلک سنوارتی' زلفوں کو آراستہ کرتی۔ مانگ میں سیندور بھرتی' آنکھوں میں کاجل لگاتی' پھر گھنٹوں خود کو پر شوق نظروں سے دیکھتی رہتی۔ وہ خود کو عجیب سی نظروں سے دیکھتی جیسے اسے اپنے وجود پر شک ہو' جیسے اپنی قیمت کو پہچان رہی ہو' اپنے شوہر پرستی کے جذبے پرکھ رہی ہو۔ اپنے گلے کے ہار کو متواتر دیکھتے رہنے سے جب اس کی آنکھیں

چھلک پڑتیں تو ہار کو چوم لیتی۔ اس کی سسکیاں مندر میں گونجنے لگتیں۔ آزمائش کی یہ گھڑیاں کس قدر دل شکن تھیں! محبت کا یہ امتحان کس درجہ کٹھن تھا! جسے دیکھا نہیں' پہچانا نہیں' جانا نہیں' ایک لفظ بھی جس کے لبوں سے وہ نہیں سن سکی' اس کے لیے وہ آج اپنا سب کچھ لٹا بیٹھی تھی! اپنے سہاگ کی واپسی کے لیے وہ دعائیں مانگتی' اپنے سیندور کی لاج کی دہائی دیتی۔ اسے یقین تھا کہ زندگی کے اس نئے وجود سے وہ کبھی مایوس نہیں ہو گی۔

انتظار کی بھی آخر ایک حد ہوتی ہے۔ جیوتی کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو ہی گیا۔ آس' یاس میں ڈھل گئی۔ جب اس کے دوبارہ جی اٹھنے کی خبر اردگرد کے دیہات تک پہنچنے لگی تو لوگ اسے دور دور سے دیکھنے آنے لگے۔ جیوتی کے دل میں خوف پیدا ہو گیا کہ کہیں پچھلی زندگی کے جنم میں واپس نہ جانا پڑے!

"اس کی سوتیلی ماں اور سوتیلا ماموں یہ دوسرا جنم بھی چھین لیتے۔"

وہ اب کسی صورت اس دوزخ میں جانے کو تیار نہیں تھی وہ مر گئی تو اس کے سہاگ کا کیا ہو گا؟ اس بھید کا کیا ہو گا جس کے لیے قدرت نے اسے دوسری زندگی عطا کی ہے؟ ایسا حادثہ تو شاید ہی قسمت سے کسی کو پیش آتا ہو۔

جیوتی نے فیصلہ کر لیا کہ اب وہ یہاں سے چلی جائے گی۔ وہ اپنے شوہر کو تلاش کرے گی' شانتی نگر کی ایک ایک گلی' ایک ایک کوچے سے اس کا پتا پوچھے گی۔ اس کے نقش قدم کے سہارے وہ ایک دن منزل تک پہنچ جائے گی۔ آخر وہ کب تک نہیں ملے گا؟ محبت کی خاطر تو لوگ سات سمندر بھی عبور کر لیتے ہیں۔ یہ تو صرف ایک شہر کی بات ہے۔ وہ شانتی نگر جائے گی۔ اب وہ اس خطرے میں نہیں رہے گی۔ اس جنگل سے وہ کل صبح تڑکے ہی ایک طائر کی طرح اڑ کر گم ہو جائے گی۔

چھایا چلی گئی۔ دیپک بھی آزاد ہو گیا۔ اچانک ہی چھایا کا چلا جانا اس کے
لیے کار آمد ثابت ہوا۔ اگر کچھ دن وہ اور ٹھہر جاتی تو جانے کیا ہو جاتا! جانے وا
اپنی محبت کے امتحان میں پورا اترتا بھی نہیں! اس کی جان میں جان آ گئی تھی۔
جیوتی کا خیال اب اس کے دل سے دور کرنے والا کوئی نہیں رہا۔

صحت مند ہونے کے بعد ڈاکٹر پرکاش نے اسے اپنے ہی ہسپتال میں نوکر
دیدی۔ زیادہ تر وہ لیبارٹری ہی دیکھا کرتا تھا۔ وہ بہت خوش تھا' اپنے کام
بہت مطمئن تھا۔ اس کا دل بھی لگ جاتا تھا کیونکہ اس طرح وہ بیماروں کی د
بھال کے علاوہ اپنے اندر جیوتی کی یاد میں زندہ رہنے کی طاقت بھی حاصل کر
تھا۔

وہ تعلیم یافتہ تھا۔ محنت کرنے کا اسے شوق تھا۔ صبح سے شام تک ا
اپنے کام میں مصروف دیکھ کر ڈاکٹر پرکاش کو اس پر ترس بھی آتا۔ وہ اسے چھ
بھی دینا چاہتا۔ اکثر کہتا کہ وہ اپنا گھر بسا لے' چھوٹی سی ازدواجی دنیا سجا لے
دیپک مسکرا کر ٹال جاتا۔ کچھ اس لہجے میں وہ انکار کرتا کہ ڈاکٹر پرکاش دو
اس موضوع پر گفتگو نہ کرے۔ ڈاکٹر پرکاش جانتا تھا کہ دیپک کی ایک ج

تھی' ایک روح تھی' کبھی وہ زندہ تھی' آج موت کی نذر ہو گئی ہے۔ دیپک
سے اسے پوری ہمدردی تھی۔

اسی سبب وہ دیپک کی خوشی کے لیے بہت کچھ کہتا۔ وہ چاہتا تھا کہ دیپک
اپنے ماضی کے غم کو بھول کر ایک نئی دنیا میں قدم رکھے' زندگی کی حقیقتوں سے
آشنا ہو اور اس کے تقاضوں سے عمل کرے۔ اپنے وجود کو یوں گھلا گھلا کر ہلاک
کرنا کوئی دانش مندی نہیں۔ وہ ایک ڈاکٹر تھا۔ شاید اس لیے اس کی نظر میں
روح سے زیادہ جسم کی وقعت تھی۔ جسم کو تندرست و توانا بنائے رکھنے سے
بھی انسانی روح پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ جس کا بدن گندا یا بیمار ہو بھلا اس کی روح
کس طرح پاک و صاف رہ سکتی ہے!

ڈاکٹر پرکاش کے اپنے نظریات اور خیالات تھے۔ دیپک نے کبھی ان سے
اختلاف یا اتفاق نہیں کیا۔

لندن پہنچتے ہی چھایا نے اسے خط لکھا تھا۔ خط میں سفر کے خوش گوار بیان کے علاوہ بھی اور کئی باتیں تھیں۔ تمام باتوں کا خلاصہ اس کی محبت پر آ کر ختم ہوتا تھا۔ دل کی دھڑکن اس سے ملاقات کی بے قراری' اسے خواب میں برابر دیکھتے رہنے کی شکایت۔ چھایا نے اس کی صحت کے بارے میں خاص طور پر لکھا تھا کہ اس سے غافل نہ رہے۔ اگر اسے چھایا کا ذرا سا بھی خیال ہے تو اپنے آپ کو خوش رکھنے کی کوشش کرے' زیادہ دیر کام نہ کرے اور کام کے ساتھ اپنے آرام کا پورا خیال رکھے۔ چھایا نے اسے اتنی ساری باتیں لکھی تھیں کہ وہ پڑھتے پڑھتے تھک گیا۔ ایک بیوی بھی شاید اپنے شوہر کو اس طرح خط نہیں لکھتی ہو گی۔

چھایا کو اس نے بہت مختصر سا جواب لکھا تھا۔ اس کے بعد بھی چھایا کے خط آتے جاتے رہے۔ شروع میں ایک ہفتے کے اندر دو دو خط آ جاتے۔ ان کا جواب نہ پا کر بھی وہ اسے خط لکھتی رہتی تھی۔ لیکن دھیرے دھیرے خطوں کا سلسلہ ختم ہوتا گیا۔ اب مہینے بھر میں ایک خط آنے لگا تھا۔ شاید چھایا اپنی تعلیم میں مشغول ہو گئی تھی یا پھر لندن کی حسین شاموں نے دیپک کی یاد کی جگہ کوئی

نیا گل کھلا دیا تھا۔ عورت کا کیا ٹھکانا! جب عاشق نظر کے سامنے ہے۔ سب ٹھیک ہے' لیکن جہاں وہ نظر سے اوجھل ہوا' اس کا پیار' اس کا تصور سب گم! خیر یہ بھی اچھا ہی ہوا۔ چھایا اسے بھول رہی تھی یا شاید اس کی یادوں سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی۔ اس سے دیپک کو کچھ اطمینان محسوس ہوا۔ چھایا کا خط ہفتوں نہ آتا تو اسے ذرا سا بھی انتظار نہ ہوتا۔

ہسپتال کے کمپاؤنڈ کے اندر ہی بالکل علیحدہ اس کا کمرہ تھا۔ وہاں سے جب وہ چاہتا ہسپتال پہنچ جاتا۔ کسی بھی وارڈ میں راؤنڈ لگا لیتا' دل بہت گھبراتا تو وہ مریضوں سے باتیں کرنے لگتا' نوکروں سے گپ شپ کر کے دل بہلانے لگتا۔

دیپک کے خدوخال بہت اچھے تھے۔ آنکھوں میں قدرتی کشش تھی۔ کوئی اس سے باتیں کرتا تو کرتا ہی رہتا' لیکن سبھی اس کے شدید کرب و غم کو اچھی طرح جانتے تھے۔ دیپک سے انہیں پوری پوری ہمدردی تھی کیونکہ اپنے کام سے کام رکھنے کے باوجود اس نے کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا۔

ایک دن صبح ہی صبح ڈاکٹر پرکاش کے حکم سے اسے نئی دواؤں کا مکسچر بنانے کی ضرورت پڑی۔ دواؤں کے کمرے میں بڑی بڑی الماریاں تھیں' ریک تھے۔ ریکس کے سب سے اوپری خانوں میں چند مخصوص دواؤں کی بوتلیں تھیں۔ دیپک کو وہ بوتلیں اتارنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس نے سیڑھی اٹھائی' ایک ریک پر رکھی اور اوپر چڑھ گیا۔ ایک بڑی بوتل کو بہت احتیاط سے اٹھا کر اس نے نیچے اترنا چاہا' لیکن فرش چکنا تھا۔ سیڑھی فرش پر اچھی طرح جم نہ سکی۔ ہلکا سا جھٹکا کھا کر سیڑھی اپنی جگہ سے سرکی تو دوبارہ جم نہ سکی۔

پھر اس سے پہلے کہ دیپک بوتل رکھ کر ریک پر لٹک جاتا' سیڑھی پھسل چکی تھی۔ یہ دھڑام سے بوتل چھوٹتے ہی زوردار چھناکا ہوا۔ ایک بوتل ٹوٹی اور پھر اوپر سے بے گنتی بوتلیں گر کر ٹوٹی چلی گئیں۔ گرتے گرتے دیپک نے ریک پکڑ لیا تھا جو اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ ریک کے ہلنے ہی کا یہ نتیجہ نکلا تھا۔ ساری دوائیاں فرش پر پھیل گئیں اور دور تک بہنے لگیں۔

دیپک کا خوب صورت چہرہ بھی، بہتی ہوئی دواؤں کی زد میں آنے سے نہ بچ سکا۔

اس نے چاہا کہ وہ جھٹ اٹھ کھڑا ہو' لیکن دوا کی بوندیں آنکھوں میں داخل ہو چکی تھیں۔ دوا میں تیزاب کی سی تیزی تھی۔ آنکھوں میں ایسی جلن ہوئی کہ وہ دوبارہ آنکھیں نہ کھول سکا۔ اس کا چہرہ بھی انگارے کی طرح دہک اٹھا۔ چمڑی یوں جھلس گئی جیسے اسے آگ سے نکالا گیا ہو۔

دیپک کو اس دوا کا اثر معلوم تھا۔ آنکھوں کی بینائی جانے کے علاوہ اس کے کانوں کی نسیں پھٹنے لگی تھیں۔ گلے تک میں انتہائی جلن محسوس ہو رہی تھی۔ وہ پاگل سا ہو گیا۔ یہ تصور بھی اس کے لیے سوہان روح تھا کہ آنکھوں کی بینائی ختم ہو چکی ہے۔ وہ اب کچھ نہ دیکھ سکے گا۔ دنیا اس کے لیے اندھیرا ہو گئی۔ اس حال میں جینا اس کے لیے موت سے بد تر تھا۔

غم کی شدت کے احساس نے اس کے دل کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ جینے کی امنگ اس سے چھن گئی۔ وہ اپنی ہی زندگی کا دشمن بن گیا کہ اس زندگی سے تو موت ہی بھلی۔ وہ وہیں فرش پر اپنا سر پٹخنے لگا۔ اسے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ تڑپ تڑپ کر روتے ہوئے اس نے ایک مرتبہ بھرپوری قوت سے اپنا سر فرش پر مارا تاکہ اس زندگی کی قید سے چھٹکارا مل جائے۔

کئی بار چوٹیں کھانے کے بعد جب اچانک ہی شیشے کا ایک نوکیلا ٹکڑا اس کی پیشانی میں گھسا تو بے اختیار منہ سے چیخیں نکلنے لگیں۔

اس کی آنکھوں میں اندھیرا تو پہلے ہی اتر چکا تھا' ذہن پر بھی اندھیرا سا چھانے لگا۔

"جیوتی!..... جیوتی!"

وہ چیخ اٹھا۔

"میں تمہارے پاس آ رہا ہوں جیوتی!...... جیوتی!....... آ رہا ہوں"۔

پھر چند ہی لمحے بعد جیسے ہر طرف گہرا اندھیرا چھا گیا۔ دیپک کا آخری

احساس یہ تھا کہ وہ اس دنیا سے رخصت ہو رہا ہے۔ پھر اسے کچھ ہوش نہ تھا۔

○ ○ ○

اس روز شام ہوتے ہوتے دیپک کو ہوش آیا۔ اس نے صدق دل سے موت کی تمنا کی' لیکن موت بھی تقدیر کی طرح ہے' مانگنے سے بھلا کب ملتی ہے! درد اس کے جسم میں ناسور بن رہا تھا۔ چہرے پر چیونٹیاں چپکی ہوئیں تھیں جو گوشت نوچ نوچ کر کھا رہی تھیں۔ گردن کی نسوں میں سوئیاں سی چبھیں ہوئی تھیں۔ اسے سانس لینا بھی دوبھر ہو رہا تھا۔ وہ سسکنے لگا۔ روشنی سے محروم آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"دیپک!"

معاً" اسکی سماعت سے ڈاکٹر پرکاش کی آواز ٹکرائی۔ ڈاکٹر پرکاش اب اس کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔ اس اثناء میں دیپک کو داؤں والے کمرے سے اٹھوا لیا گیا تھا۔ ڈاکٹر پرکاش کے چہرے سے رحم اور ہمدردی کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے افسوس ہے دیپک کہ تمہارے ساتھ قدرت نے اتنی سخت ناانصافی کی' لیکن تم گھبراؤ نہیں۔ میں پوری توجہ سے تمہارا علاج کروں گا۔ یقیناً تمہاری آنکھوں کی روشنی ایک دن واپس آجائے گی۔"

"ڈاکٹر صاحب!"

دیپک بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"اب...... اب میری جیوتی کبھی ...... کبھی واپس نہیں آئے گی۔ اسے آنا ہی ہوتا تو ...... تو بھلا وہ جاتی ہی کیوں؟ مجھے تو شروع ہی سے اندھیرا ملا ہے۔ میری قسمت میں اندھیرا ہی تھا جو اب زندگی بھر کے لیے میرا ساتھی بن چکا ہے۔"

"نہیں نہیں دیپک! تم ایسا کیوں سمجھتے ہو؟"

ڈاکٹر پرکاش تڑپ کر بولا۔

"ایسا کبھی نہیں سوچنا چاہیے۔ تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے' پہلے کی طرح ہی دیکھنے لگو گے۔ تمہاری بینائی مجھے واپس لانی پڑے گی۔ گھبراؤ بالکل نہیں اور میری بات کا یقین کرو۔"

ڈاکٹر پرکاش کے دل میں دیپک کے لیے ہمدردی جاگ اٹھی۔ وہ دیپک کو سمجھانے لگا' زندگی کے نشیب و فراز کی باتیں' زندہ رہنے کا مقصد' موت کی تمنا کرنا کتنا بڑا گناہ ہے' خودکشی زندگی کی توہین ہے وغیرہ۔ دیپک کو ڈاکٹر پرکاش کی بے غرض ہمدردی پر ترس آیا۔ اس کی مخلصانہ ہمدردی نے دیپک کے دل میں زندگی کی ذرا سی تمنا بھی پیدا نہیں کی تھی۔ پھر بھی دیپک نے اس کا دل رکھ لیا اور اپنی سسکیوں پر قابو پالیا۔ خاموش ہو کر اس نے سر جھکا لیا۔

"کیا سوچ رہے ہو دیپک؟"

ڈاکٹر پرکاش نے اسکی بے نور آنکھوں میں آنسو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تمہیں میری باتوں پر بھروسہ نہیں ہے؟"

"نہیں نہیں ڈاکٹر صاحب' یہ بات نہیں ہے۔"

دیپک جلدی سے بولا۔

"مجھے اپنے اجڑے جہان کا کوئی غم نہیں بلکہ یہ غم تو میرے لیے خوشی کا باعث ہے۔ مجھے اپنی آنکھوں کی بینائی کا بھی افسوس نہیں۔ جیوتی جیسے پہلے ان

میں تھی' اب بھی ہے۔ دل پر اس کا کوئی بار نہیں۔ دکھ تو صرف یہ ہے کہ ڈا
صاحب کہ جب سے میں یہاں آیا ہوں' آپ کے لیے بھاری سے بھاری بو
بنتا جارہا ہوں' شاید ناقابل برداشت بوجھ!"

"چپ رہو دیپک!"

ڈاکٹر پرکاش نے اسے محبت سے ڈانٹ دیا۔

"ایسی باتیں کم از کم تمہیں کسی ڈاکٹر سے نہیں کرنا چاہئیں۔ بس جیسا
سے کہتا ہوں' ویسا ہی کیئے جاؤ۔ پھر دیکھنا کہ میں تمھیں کتنی جلدی پہلے کی ط
ہی دیپک بنادوں گا۔ آج کے دور میں کوئی بات بھی ناممکن نہیں رہتی۔"

دیپک خاموش ہو گیا۔ ڈاکٹر پرکاش کی دردمندی پر اس کا دل بھر آ
احسان مند ہونے کے باوجود شدت جذبات کی وجہ سے وہ شکریے کا ایک
بھی نہ کہہ سکا۔

"تمہارے چہرے پر جو نشان پڑ گئے ہیں' کیا تمہیں ان کا احساس ہو
ہے؟"

ڈاکٹر پرکاش نے کچھ دیر بعد سوال کیا۔

"ہاں ہاں ڈاکٹر صاحب کیوں نہیں!"

اس نے اپنے رخساروں پر انگلیاں پھیرنے کی کوشش کی۔

اسی لمحے ڈاکٹر پرکاش نے دیپک کا ہاتھ تھام لیا۔

"ہاں آں! انہیں ہاتھ نہ لگاؤ!"

ڈاکٹر نے منع کیا۔

"میں نے جو دوا لگائی ہے' اس طرح پھیل جائے گی۔"

"دیکھنے میں میرا چہرہ کیسا لگتا ہے ڈاکٹر صاحب؟"

دیپک نے انتہائی درد بھرے لہجے میں معلوم کیا۔"

"کہیں کہیں سے تھوڑا جل گیا ہے"۔ ڈاکٹر پرکاش نے یہ سوچ کر
دیپک کے دل کو ٹھیس نہ پہنچے' جھوٹ کا سہارا لیا۔

حقیقت کچھ اور ہی تھی۔ دیپک کا چہرہ بھیانک اور سرخ پھپولوں سے بھرا
ہوا تھا۔ جہاں جہاں پھپولے چھوٹے تھے یا بالکل اٹھے ہی نہیں تھے' وہاں گہرے
سیاہ داغ پڑ گئے تھے۔ گردن کے نیچے تک اور ہاتھوں کا کافی حصہ اس سے متاثر
تھا۔ پھر بھی ڈاکٹر پرکاش کو دیپک کا دل رکھنا ہی تھا۔ وہ اندھا ہو چکا تھا۔ بھلا اب
کس طرح وہ اس حقیقت کا اچھی طرح اندازہ لگا سکتا تھا! اسے بینائی واپس مل
جاتی اور اپنے چہرے کو دیکھتا تو خود بھی پہچان نہ پاتا کہ یہ اسی کا چہرہ ہے۔

ڈاکٹر پرکاش نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہا۔

"جب تک تمہاری آنکھیں آپریشن کے قابل ہوں گی تو یہ داغ مٹ
جائیں گے۔ تم انہیں دیکھ بھی نہیں پاؤ گے۔"

اس پر بھی دیپک کے دل کو تسلی نہیں ہوئی۔ وہ بس دھیرے سے مسکرا
دیا۔ اسکے ہونٹوں پر الم ناک مسکراہٹ دیکھ کر ڈاکٹر پرکاش کی آنکھیں بھی نم ہو
گئیں۔ وہ سمجھ گیا کہ دیپک صرف اس کی دل دہی کے لیے مسکرا رہا ہے۔ شاید
دیپک کو علم ہے کہ ان تیزابی دواؤں کا علاج اتنا آسان نہیں۔

دیپک کے سر پر ڈاکٹر پرکاش نے شفقت سے ہاتھ پھیرا اور چلا گیا۔ اپنے
کمرے میں آکر دیر تک دیپک کے بارے میں سوچتا رہا۔ دیپک جیسا دکھی
نوجوان کبھی پہلے اس کی نظر سے نہیں گذرا تھا۔ پھر وہ آپ ہی آپ بڑبڑانے
لگا۔"معلوم نہیں کیوں کچھ لوگوں کی قسمت میں دکھ ہی دکھ لکھے ہوتے ہیں۔"

ڈاکٹر پرکاش نے دیپک کے رہنے کا انتظام ایک اسپیشل وارڈ میں کر دیا۔
نرسوں اور دیگر اسٹاف کو خاص طور پر اس نے ہدایات دے دیں کہ وہ دیپک کا
پورا پورا خیال رکھیں۔ دیپک کی حالت ذرا بھی بگڑے تو اسے فوراً اطلاع دی
جائے۔ دیپک کے دکھ کو وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں محسوس کر رہا تھا۔ کبھی
کبھی وہ چاہتا کہ سارے دکھ اس سے لے لے' لیکن تمام تر سائنسی ترقی کے
باوجود آج کے دور میں بھی یہ ممکن نہیں۔ انسان نہ اپنے دکھ کسی کو دے سکتا
ہے' نہ لے سکتا ہے۔ وہ دوسروں کی عمر سے اپنی زندگی کے دنوں میں اضافہ

بھی نہیں کر سکتا۔ یہی سوچ کو تو غریبوں کو ایک طرح کے سکون کا احساس ہوتا ہے ورنہ تو پیسے والوں کے پاس زندگی ہی زندگی ہوتی اور غریب لوگ پیدا ہو کر بھی زندہ نہیں رہ پاتے۔ پھر بھی ڈاکٹر پرکاش اس سلسلے میں ایسا ہی سوچتا تھا۔ اس خیال کے پس پردہ اس کا کوئی ذاتی مقصد نہیں تھا۔ دیپک کی خوشی' اس کی زندگی کے آرام کی خاطر وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ دیپک سے اسے ایسی ہی ہمدردی تھی۔ ڈاکٹر پرکاش جیسے لوگ کم ہی ہوتے ہیں۔

آہستہ آہستہ دیپک کو اپنی الم ناک زندگی کا احساس ہونے لگا۔ اسی کے ساتھ اسے اس زندگی میں ایک آسودگی بھی محسوس ہوئی۔ آسودگی اس لیے کہ اب وہ کسی رکاوٹ کے بغیر اپنی جیوتی کے دھیان میں مگن رہ سکتا تھا۔ اب اسکے اور جیوتی کے درمیان کوئی بھی آنے کی ہمت نہ کرتا۔ اس کی خاموش زندگی سے کسی کو بھی کوئی غرض یا مطلب نہیں تھا۔ اپنے دل کا دیپک جلا کر وہ گھنٹوں جیوتی کی پوجا کرتا رہتا۔

وہ اس کے چاند چہرے کا تصور کرتا' اس کی نیلی آنکھوں میں اپنے وجود کو ڈبو دیتا' گھنی زلفوں کی چھاؤں میں سو جاتا۔ جیوتی کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر وہ اس سے دھیرے دھیرے باتیں کرتا' اسے اپنے دل کی دھڑکنیں سناتا' اس سے تڑپنے کی شکایت کرتا۔ پھر اس کے ہونٹ دھیرے دھیرے کانپنے لگتے بڑبڑاہٹ شروع ہو جاتی۔ پھر یہی بے معنی سی بڑبڑاہٹ الفاظ میں تبدیل ہو کر کمرے میں گونجنے لگتی۔ وہ کبھی روتا تو کبھی آپ ہی آپ مسکرانے لگتا اور کبھی کبھی اپنی بے بسی پر قہقہے بھی لگانے لگتا۔ اسے ہنسی کا جیسے دورہ پڑ جاتا۔ وہ ہنستا ہی جاتا' پاگلوں کی طرح! ہسپتال کا سکون درہم برہم ہو جاتا۔ وہ اپنے بال نوچنے لگتا۔ ایسے میں نرسیں لپک کر اسے سنبھال لیتیں' اس کا ہاتھ تھام کر تسلی دیتیں۔ ڈاکٹر پرکاش سے نرسیں اس کی شکایت کرتیں تو وہ آ کر دیپک پر پیار بھرے انداز میں خفا ہوتا۔ دیپک دل ہی دل میں اپنی دیوانگی پر شرمندہ ہو کر رہ جاتا۔

اب رفتہ رفتہ دیپک نے اپنے دکھوں سے سمجھوتا کر لیا تھا۔ وہ دکھوں کو سہنے کا عادی ہو گیا تھا۔ اب نہ وہ چیختا چلاتا' نہ بال نوچتا' صرف اپنے بیڈ پر خاموش پڑا رہتا۔ جب جیوتی اس کے آئینہ دل پر نور بنکر چھا جاتی تو وہ مسکرانے لگتا۔ بہت ہوتا تو دھیرے دھیرے جیوتی کے تصور سے باتیں کر کے مطمئن ہو جاتا۔ سننے والے سمجھتے کہ دیپک دیواروں سے باتیں کر رہا ہے' صرف دیواروں سے! ایک ہفتے کے اندر ہی وہ اتنا سنبھل چکا تھا۔ پھر بھی اس کی حالت لوگوں کی نظر میں قابل رحم ہی تھی۔

اسے اندازہ تھا کہ اس کا بیڈ کہاں ہے! وقت کا بھی وہ احساس کر لیتا تھا' اسے دن اور رات کی پہچان تھی جب ہسپتال میں کافی چہل پہل سنائی دیتی تو وہ سمجھ لیتا کہ صبح کا وقت ہے' مریض آ جا رہے ہیں۔ مریضوں کے دوست اور عزیز ملاقات کے لیے آئے ہیں' جب آس پاس کے وارڈز میں اور چاروں طرف بالکل خاموشی چھا جاتی تو وہ محسوس کرتا کہ رات شروع ہو گئی ہے۔

مریضوں کے گہرے گہرے سانس اور دکھ اور ٹھنڈک لے کر جب ماحول میں پھیل جاتے تو وہ جان لیتا کہ آدھی رات گذر چکی ہے۔ مریض سو رہے ہیں اور نرسیں راؤنڈ پر ہیں۔ پھر وہ اپنے بیڈ سے اٹھ کر کھڑا ہوتا اور ہاتھوں سے ٹٹول کر سامنے کی کھڑکی کے پاس پہنچ جاتا' شیشے جڑے کھڑکی کے پٹ وہ کھولتا تو ہوا کا ایک جھونکا ہزاروں پھولوں کی مہک لے کر اس کے سانسوں میں شامل ہو جاتا۔ تب اسے محسوس ہوتا گویا چاندنی ہر طرف بکھری ہوئی ہے' ستارے مسکرا رہے ہیں' پھول کھلے ہیں اور کلیاں شرم سے جھکی اپنی مسکراہٹ چھپا رہی ہیں۔ اس کے اداس اور مایوس دل کو ایک ٹھنڈک سی محسوس ہوتی۔ اسے ایک سکون سا ملتا۔ اگر اس کا دل چاہتا تو وہ دروازے کا پردہ ہٹا کر باہر برآمدے میں بھی نکل آتا اور ریلنگ کے سہارے کھڑا ہو جاتا۔ جب کبھی اچانک ہی ہوا کے جھونکوں کے ساتھ اس پر بارش کی ننھی ننھی بوندیں پڑتیں تو اسے بہت دکھ ہوتا۔ اس کا دل ٹوٹ جاتا۔ وہ سوچتا' میرا اندازہ بالکل غلط نکلا۔ باہر تو چاند ہے

نہ ستارے۔ آسمان میرے دکھوں پر آنسو بہا رہا ہے' پھول جھکے ہیں اور گلیار درد سے کانپ رہی ہیں۔ پھر وہ پلٹ کر اپنے کمرے میں چلا آتا۔ بستر پر دراز ہو کر اس کی آنکھیں بھی ساون بھادوں کا منظر پیش کرنے لگتیں۔ اسے کسی کروٹ بھی چین نہیں ملتا تھا جیوتی کے پیار میں وہ ایک سخت امتحان سے گزر رہا تھا۔ بارش کی رم جھم اسے لوریاں سناتی' لیکن اس کی پلکیں نیند سے بوجھل نہ ہوتی۔ یہ لوریاں تو اس کے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اتر جاتی تھیں۔

○............○............○

پشوپتی ناتھ جی کے مندر کی چوکھٹ پر ایک عورت کا سایہ نیم مردہ سا لگ رہا تھا۔ وہ عورت بیٹھی ہوئی تھی بال کولہوں تک لمبے ہونے کے ساتھ ساتھ الجھے اور چپٹے ہوئے تھے' آنکھیں دھنسی ہوئی سی تھیں' ہونٹ سوکھے ہوئے تھے' اس کے رخساروں کی ہڈیاں اوپر کو ابھر آئی تھیں۔ کئی جگہ سے اس کی ساڑھی پھٹی ہوئی تھی۔ یہ عورت ایک ہفتے سے روز رات کے وقت یہاں پناہ لینے چلی آتی تھی۔ صبح ہوتے ہی وہ یوں شہر کی طرف نکل جاتی جیسے اسے کسی کی تلاش ہو۔ اپنی پاک دامنی کے لیے اس نے شروع ہی سے اپنے چہرے کو گھونگٹ میں چھپا رکھا تھا۔ اسی وجہ سے کوئی اب تک اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا۔

وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ مرد کی ذات ایک بے سہارا عورت کی بے چارگی سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں گنوا سکتی۔ اگر وہ اپنی مانگ میں بھرے ہوئے سیندور کا واسطہ بھی دے گی تو بھی کوئی اسے فریب دے کے اپنا مقصد پورا کر سکتا ہے۔ اس کے لیے جبر اور زبردستی بھی کی جا سکتی ہے۔ ایسی صورت میں اس کے یہاں آنے کا مقصد ہی بیکار ہو جائے گا۔ اسے لوٹ کر اس کی پیشانی

پر کلنک کا ٹیکا اور زندگی پر بربادی کی مہر لگادی جائے گا۔ یہ دنیا ذرا بھی اعتبار کے
قابل نہیں ہے۔

کئی دن سے اسے کھانے پینے کو بھی برائے نام ہی ملا تھا۔ بھکارن سمجھ کر
کبھی کوئی اس کی گود میں خود ہی کچھ ڈال دیتا مگر وہ کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاتی
اور فاقے کرتی رہتی۔ وہ تو کسی پیاسی ہرنی کیطرح ہر وقت بھٹکتی ہی رہتی کہ
شاید کہیں اس کی پیاس بجھ جائے۔ دل میں ایک جوش اب بھی باقی تھا۔ نقاہت
کے سبب چلتے چلتے اکثر اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جاتا اور سر چکرانے
لگتا تو وہ سڑک کے کنارے گھڑی بھر کو کہیں بیٹھ جاتی۔

اپنی محبت پر بھروسہ کر کے اور پجاری کے الفاظ کی بنیاد پر اس نے جو
تصویر اپنے ذہن کے پردے پر کھینچی تھی، وہ اسے صاف دکھائی دے رہی
تھی۔ اس کا ایسا گورا رنگ ہو گا۔ ایسا قد و قامت، آنکھوں میں ایسی روشنی
ایسے لب و رخسار! ہر عضو کو اس نے اپنے تصورات کی چادر پر چند مبہم سی
لکیروں سے تشکیل دے رکھا تھا! اسے یقین تھا کہ اس کا محبوب دیکھتے ہی اس
کو پہچان لے گا۔ سارے شہر میں ایک وہی تو ایسا نوجوان ہو گا۔ پھر اگر اس کے
ہونے میں کوئی شک بھی ہوا تو وہ فوراً اپنا گھونگھٹ اٹھا کر اسے اپنا چہرہ دکھا دے
گی۔ وہ ہار جو اس کی گردن میں ہے اپنے محبوب کے سامنے کر دے گی۔ پھر وہ
اسے کس طرح نہیں پہچانے گا! اپنی محبت پر، اپنی پاک دامنی پر اور اپنی
زندگی پر اسے اتنا یقین تھا کہ وہ ہمت ہارنے پر تیار نہیں تھی! سارے دن وہ
اسی لیے اپنے جیون ساتھی کو تلاش کر کے یہاں چلی آتی تھی۔

آج وہ بہت تھک چکی تھی، بھوک سے بھی نڈھال تھی۔ اس کی ہمت بھی
جواب دینے لگی تھی۔ چھوٹا سا وہ خوب صورت شہر اسے ایک دنیا سے بھی بڑا
معلوم ہونے لگا۔ شانتی نگر میں اسے نام کو بھی شانتی میسر نہیں آئی۔ اپنے
چہرے پر گھونگھٹ ڈالے، گردن میں پیتل کا ہار چھپائے وہ چوکھٹ کے قریب
لیٹی ہوئی تھی۔ باہر بارش ہو رہی تھی۔ ہواؤں کا رخ بدلا ہوا تھا۔ اس کے

ذہن پر غنودگی سی چھانے لگی۔ اس وقت کسی کا ہاتھ اس کی طرف بڑھا۔ اس کا
گھونگھٹ کسی نے اٹھایا ہی تھا۔ اسی کے ساتھ سارے حواس بیدار ہو گئے۔ وہ
کانپ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے دیکھا، کوئی غنڈا اسے بہت للچائی ہوئی نظروں
سے دیکھتے ہوئے مسکرا رہا ہے۔ غنڈے کے منہ سے شراب کی بدبو آ رہی تھی۔
نشے کی وجہ سے اس کے قدم بھی لڑکھڑا رہے تھے۔ فوراً ہی وہ پیچھے ہٹی اور
مندر کے اندر داخل ہو کر پناہ چاہی، لیکن ٹھٹھک گئی۔

"آؤ بیٹی!"

پجاری نے اسے نرمی سے مخاطب کیا۔

"تمہیں تو میں کئی دن سے بلانا چاہتا تھا۔ آؤ آؤ!"

یہ سننے کے باوجود بھی وہ آگے نہیں بڑھی۔ پجاری کی آنکھوں میں بھی
وہی ہوس کا رنگ تھا جو اپنے پیچھے لڑکھڑاتے غنڈے کی آنکھوں میں اس نے
دیکھا تھا۔

وہ مرد کی نظروں کو پہچانتی تھی۔ وہ پلٹ کر پیچھے بھاگی، لیکن جال میں پھنسے
ایک پرندے کی طرح پھڑپھڑا کر رہ گئی۔ اس غنڈے نے جھپٹ کر اس کی کلائی
پکڑ لی تھی۔ پجاری لپک کر مندر سے باہر آ گیا۔ وہ اپنی الووں جیسی گول گول
آنکھوں کو حرکت دینے لگا یقیناً وہ صورتحال کو بھانپ رہا تھا۔

"بیٹی!"

پجاری نے پھر اسے پکارا۔

"یہ ہمارے شہر کے سب سے بڑے صنعت کار کے بیٹے ہیں۔ میں نے
انہیں کئی دن سے اس خراب حالت میں دیکھا تو ان سے تمہاری خوبصورتی کا
ذکر کر دیا تھا۔ میں نے سوچا کہ ان کا بھی بھلا ہو جائے اور تمہارا بھی!"

"پجاری جی!"

وہ چیخ اٹھی۔

"مندر میں درشن کرنے آنے والی پردیسی لڑکیوں پر ہمیشہ ہی سے یہ بہت

کرم فرما رہے ہیں۔ تم بھی مایوس نہیں ہو گی۔ جاؤ جاؤ بیٹی! سوچ کیا رہی ہو ؟ ایک ہی رات میں تمہارے دن پھر جائیں گے۔ یہ تو بھگوان کی مرضی ہے۔"

"پاپی! کمینے!"

وہ پھر چیخی۔ تڑپ کر اس نے چاہا کہ اپنی کلائی چھڑا لے' مگر ناکام رہی اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"بھگوان کے لیے مجھے چھوڑ دو! جانے دو مجھے! میں سہاگن ہوں..... سہاگن ہوں..... سہا..... سہاگن......"

یہ کہتے ہوئے اسے زور کے چکر آ گئے۔ وہ دل میں اٹھتے درد کو برداشت نہ کر سکی اور بے ہوش ہو گئی۔

وہ غنڈا اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا' پھر اپنی جیب سے کچھ نوٹ نکال پجاری کے ہاتھ میں تھما دیئے اور بے ہوش جسم کو قریب ہی کھڑی ایک کار کی پچھلی سیٹ پر لا کے ڈال دیا۔ کھلی کھڑکی سے جب بارش کی بوندیں اس کے چہرے پر پڑیں تو اسے کچھ کچھ ہوش آنے لگا۔

کار فراٹے بھرتی ہوئی ایک سنسان کھنڈر کی طرف جا رہی تھی۔ کار چلانے والا بار بار سامنے لگے آئینے میں پچھلی سیٹ پر پڑے ہوئے عورت کے بے ہوش جسم کو دیکھ لیتا تھا۔ معاً ایک ریلوے کراسنگ راستے میں آ گئی۔ وہاں کافی بھیڑ تھی اور راستہ گھرا ہوا تھا۔ اس نے کئی کاروں کے پیچھے اپنی کار بھی کھڑی کی اور کھڑکی سے جھانک کر باہر دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ایک آدمی سے پوچھا۔

"کیا بات ہے بھائی؟ گیٹ تو کھلا ہے' پھر راستہ کیوں بند ہے؟"

"کوئی شرابی ٹرک ڈرائیور' ریلوے گیٹ بند ہونے کے باوجود نہیں رکا گیٹ توڑ کر اندر داخل ہو گیا تو ٹرین میں ٹکرا گیا"۔

اس آدمی نے بتایا۔

شرابی؟ یہ سوچ کر وہ کچھ ٹھٹھکا شراب تو اس نے بھی پی رکھی تھی۔ ؟

اس نے خود کو سنبھال لیا اور پیچھے دیکھا۔ اس کا نیم جاں شکار بے ہوش پڑا تھا۔ وہ اطمینان سے نیچا اترا۔ بارش کی رم جھم میں وہ اس مقام کو دیکھنے آگے بڑھ گیا جہاں حادثہ ہوا تھا۔

اسی وقت کار کا پچھلا دروازہ کھلا۔ عورت کو ہوش آ چکا تھا۔ اس غنڈے نے کار سے اتر کر جب دروازہ بند کیا تھا تبھی وہ ہوش میں آئی تھی۔

وہ ابھی کار سے اتری ہی تھی کہ اس کے شکاری نے آگے بڑھتے ہوئے اچانک مڑ کر دیکھا تو ٹھٹھک گیا۔ وہ اپنا دم سادھ کر دوسری طرف بھاگی۔ شکاری اب اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ وہ بھاگتی ہی رہی۔ پہلے وہ ایک ٹرک کی آڑ میں چھپی مگر شکاری کتے نے اس کی بو سونگھ لی۔ اسے دیکھتے ہی وہ آگے بڑھی' پھر لوگوں کی بھیڑ میں جا گھسی۔ اس کے بعد وہ کاروں کی آڑ لیتی ہوئی ریلوے گیٹ تک پہنچ گئی۔

اس وقت ٹریفک پولیس والے راستہ صاف کر چکے تھے۔ لاشیں اٹھائی جا چکی تھیں۔ ٹرک کو ایک طرف سرکا دیا گیا تھا۔ اسے اب اپنے بچنے کی امید دکھائی نہ دی۔ وہ بری طرح ہانپ رہی تھی' سانس اکھڑ رہا تھا۔ کمزوری سے پھر اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے؟

دھیرے دھیرے بھیڑ چھٹنے لگی تھی۔ اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ پھر ایک کار پر اس کی نظر پڑی اور اس نے سوچا' کسی کی بھی کار ہو لیکن غنڈے سے تو میری جان چھوٹ جائے گی۔ دنیا میں ہر شخص ہی درندہ نہیں۔ کار خالی تھی۔ اس نے کار کا پچھلا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو کر سیٹ سے نیچے لڑھک گئی۔

وہ اس قدر خوفزدہ تھی کہ کار کے اندر پہنچ کر اور خود کو محفوظ محسوس کرتے ہی بے ہوش ہو گئی۔

اس کار کا مالک آیا جو بہترین تراش کا سوٹ پہنے ہوئے تھا۔ صورت ہی

سے وہ کوئی شریف آدمی معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی کار کا پچھلا دروازہ کھلا دیکھا تو بے پروائی سے دوسری طرف دیکھتے ہوئے اسے بند کیا اور پھر آگے بیٹھ کر کار اسٹارٹ کرتے ہی وہ بھیڑ کو ایک طرف چھوڑتا ہوا آگے نکل گیا۔

سڑک پر بارش کی شدت میں اس نے کئی بار عجب سی اداسی محسوس کی۔ اس نے سوچا' شاید یہ کسی کی آہ کا اثر ہے۔ کئی بار اس نے یہ آہ خود اپنے کانوں سے بھی سن کر محسوس کی۔ آج کا حادثہ کوئی معمولی حادثہ نہیں تھا۔ ٹرک ڈرائیور کے ساتھ اس کا کلینر بھی مر چکا تھا۔ شاید اسی لیے وہ ماحول میں ہلکی ہلکی سسکیاں بھی محسوس کر رہا تھا۔ کبھی کبھی تو اسے یوں لگتا کہ جیسے قریب ہی کسی نے سسکی بھری ہو۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اسی لیے کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھ لیتا تھا۔

اپنے سفر کے اختتام پر وہ کار ایک بنگلے میں داخل ہوئی۔ پورٹیکو کے نیچے گملوں کے قریب وہ کار رکی۔ وہ اترنے لگا۔ تو معاً اسے کسی کی آہ پھر سنائی دی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی درد کی شدت سے تڑپ رہا ہے۔ یہ میرا وہم ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ سوچتے ہوئے وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ اسے ابھی تک اپنی سماعت پر اعتبار سا نہیں آ رہا تھا۔ آہ دوبارہ سن کر وہ کانپ گیا۔ اس نے کار کے اندر کی بتی جلائی اور اچک کر پیچھے نیچے کی طرف دیکھا۔ تب ہی کسی انجانے خوف کے اثر سے اس کے جسم میں سرد لہر سی دوڑ گئی۔

اس نے نوکر کو آواز دی اور پھر فوراً ہی کار کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔ تھوڑی سی روشنی میں گویا ایک سفید مرجھائی ہوئی کلی غم کے بوجھ سے دم توڑ رہی تھی۔ حسن مٹنے کے باوجود اتنا پرکشش تھا کہ دیکھتا ہی رہ گیا جیسے گدڑی میں لعل آپ ہی آپ اس کے قدموں میں چلا آیا تھا۔

فوراً ہی اسے اٹھوا کر وہ اپنے بنگلے کے اندر لے گیا۔ ایک پلنگ پر لٹا کر اس نے پہلے اسے ایک انجکشن دیا' پھر نوکرانی سے اپنی بہن کی کوئی ساڑھی لانے کو کہا۔

نوکرانی ساڑھی لے آئی تو وہ بولا۔

اس کا گیلا جسم اچھی طرح پونچھ کر اسے یہ ساڑھی پہنا دو جب اسے ہوش آجائے تو مجھے اطلاع دینا!"

نوکرانی نے اقرار میں سر ہلا دیا۔

نوکر اور نوکرانی اپنے مالک کی رحم دلی سے اچھی طرح واقف تھے۔ اس کے حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔

صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو نوکرانی نے آکر فوراً اطلاع دی۔ وہ تیار ہو کر ناشتے کے بعد اسی خبر کا منتظر تھا۔ ہسپتال جانے کو بھی اسے دیر ہو رہی تھی۔

مسکراتا ہوا وہ کمرے میں داخل ہوا تو مریضہ اٹھ کر بیٹھی بہت حیرت سے اپنے جسم میں موجود بدلی ہوئی ساڑھی کو دیکھ رہی تھی۔

"ارے آپ بیٹھ کیوں گئیں؟"

اس نے کرسی کھینچ کر پلنگ کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا' پھر کسی جھجک کے بغیر مریضہ کی کلائی تھام لی۔ اس نے بخار دیکھا' پھر تھرمامیٹر کو جھٹکتے ہوئے بولا۔

"آپ کی طبیعت ابھی خراب ہے۔ کل رات تو آپ کو ایک سو چار ڈگری بخار تھا۔ ارے ہاں!"

تب ہی وہ چونکا۔

"کل آپ میری کار میں کس طرح چلی آئیں؟ مجھے تو اس کا علم گھر آنے کے بعد ہوا۔ آپ کی کراہیں سن کر تو میں ڈر ہی گیا تھا۔ سوچا تھا کہ کہیں کوئی بھوت پریت......

لڑکی مسکرائی تو اس نے اچانک ہونٹوں کے درمیان تھرمامیٹر رکھ دیا۔ وا ہوتے لبوں کے درمیان اس نے بہت قریب سے دیکھا موتیوں کی لڑی کے مانند س کے چھوٹے چھوٹے پیارے دانت چمک رہے تھے۔ اب وہ لڑکی رات سے ی زیادہ حسین و پرکشش نظر آ رہی تھی۔

اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

"چلئے یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ آپ میری کار میں چلی آئیں۔ کہیں کسی اور کی کار میں ہوتیں تو نہ جانے کیا ہوتا!"

وہ منہ میں تھرمامیٹر دبائے اس کی جانب دیکھنے کے بجائے سامنے دیکھنے لگی۔ دیوار پر ایک خوبصورت تصویر لٹک رہی تھی۔ یہ کسی خوبصورت عورت کا پیکر تھا۔

"یہ میری بہن ہے' چھایا۔"

اس شریف انسان نے لڑکی کے دل میں کسی فکر کا احساس کیا تو کہا۔

"میری ایک ہی بہن ہے اور میں اس سے بہت پیار کرتا ہوں۔ وہ اس وقت لندن میں ایم ایس کر رہی ہے۔ ماسٹر آف سرجری"۔

اس نے گھڑی دیکھتے ہوئے لڑکی کے منہ سے تھرمامیٹر نکالا۔

"میرا نام پرکاش ہے۔ ویسے آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں؟"

"جیوتی"۔

وہ بہت نرمی سے بولی۔

کمرے میں جیسے کسی نے کانسے کی تھالی میں ایک موتی ڈال کر ہلا دیا۔ گھنگر سے بج اٹھے۔ لڑکی کی آواز اتنی میٹھی تھی کہ کانوں سے اس کا رس اتر کر دا کی گہرائی تک پہنچ گیا۔ جیوتی! اس نے دل ہی دل میں لڑکی کا نام دہرایا بہت غو سے لڑکی کے چہرے کا جائزہ لیا۔

گھنی' لمبی اور الجھی ہوئی زلفوں کے سبب کمرے میں جیسے بدلی چھا رہ تھی۔ لمبی لمبی پلکوں کے سائے میں آنکھوں کا رنگ' نیلے آسمان کے نیچے شا نگر کی چٹانوں کے درمیان ہلکورے لیتی ایک جھیل کے صاف و شفاف اور پاک پانی کی طرح دھیرے دھیرے ہچکولے لے رہا تھا۔ ڈاکٹر پرکاش ان حسین آنکھوں سے نظریں نہ ہٹا سکا۔ خوب صورتی کی بھی ایک حد ہوتی ہے! لیکر اسے تو قدرت نے جیسے اپنے ہاتھوں سے بنا کر شاید اسی کے لیے چپکے سے اا کی کار رکھ دیا تھا۔ چند لمحوں کو وہ آسمان پر اڑتے ہوئے بادلوں کی طرح کہی

کھو سا گیا۔ جیوتی ...... جیوتی! اس کے دل کی ہر دھڑکن جیسے ایک نام بار بار دہرانے لگی۔ جیوتی پرکاش کے لیے ہی پیدا ہوئی تھی۔

ڈاکٹر پرکاش نے اک مرتبہ پھر جیوتی کے سراپا کا جائزہ لیا۔ دل نے جانے کیا کہا کہ وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

"ارے یہ کیا؟"

ڈاکٹر پرکاش نے اسے ٹوکا۔

"آپ کی طبیعت اس قدر خراب ہے اور چلنے کو تیار ہو گئیں؟"

"نہیں نہیں!"

جیوتی اپنے پیروں کو پلنگ سے نیچے لٹکا کر اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"مجھے جانے دیجئے!"

جیوتی جیسے مجبور ہو کر بولی۔

اوہ! تو کوئی بات نہیں۔"

وہ بولا۔

"آپ یہیں رہ سکتیں ہیں۔ جب تک آپ مکمل صحت یاب نہ ہو جائیں' یہیں رہئے۔ آپ کو یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

"میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ اگر آپ میرے ساتھ ہمدردی ہی کرنا چاہتے ہیں تو مجھے کسی ہسپتال میں داخل کرا دیجئے یا پھر یونہی چھوڑ دیجئے میرے حال پر! کم از کم زندگی کی ان مایوسیوں سے چھٹکارا تو مل جائے گا۔"

"آپ اس قدر مایوس کیوں ہیں؟"

ڈاکٹر پرکاش نے پوچھا اور جیوتی کے چہرے پر ابھرے ہوئے درد بھرے نقوش کو پڑھنے کی سعی کرنے لگا۔

"اس دنیا میں مایوس کون نہیں ہے؟"

جیوتی کی آواز جیسے کسی شکستہ ساز سے ابھری۔

"کیا آپ کو کبھی بھی مایوسی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا؟"
"ابھی تک تو اس کی نوبت نہیں آئی۔"
ڈاکٹر پرکاش نے گہرا سانس لیا۔
"لیکن آج یقیناً مایوسی کا احساس ہو رہا ہے۔"

جیوتی نے ڈاکٹر پرکاش کو غور سے دیکھا! اپنی بے بسی پر اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ آنسو رخساروں پر بہہ نکلے تو اس نے پلکیں جھکا لیں!

ڈاکٹر پرکاش کے دل پر گہری چوٹ لگی، ایسی چوٹ اس نے پہلی بار محسوس کی تھی۔ اس کا دل تڑپ اٹھا۔ گھبرا کر وہ کھڑا ہو گیا۔ اپنے الفاظ اس نے واپس لینا چاہے! شاید انہی الفاظ کی وجہ سے جیوتی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے!

"مجھے معاف کر دیجئے جیوتی دیوی!"
وہ آہستہ سے بولا جیسے بہت شرمندہ ہو۔
"میرے منہ سے اچانک ہی یہ الفاظ نکل گئے تھے۔ آیئے چلئے، میں آپ کو ہسپتال چھوڑ آؤں۔ میرے ذاتی ہسپتال میں رہنے پر تو آپ کو کوئی اعترض نہیں؟"

جیوتی خاموش بیٹھی رہی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا جواب دے! ڈاکٹر پرکاش نے اس پر احسان کیا۔ اس کے بدلے اس کا دل دکھانا مناسب بات نہیں تھی۔ دنیا میں رہ کر دنیا والوں کا منہ بند کرنا بھی تو ممکن نہیں ایک اکیلی لڑکی جوان، خوبصورت، کسی نوجوان اور خوبصورت آدمی کے گھر میں بے دھڑک رہے، شاید سماج اسے قبول نہیں کرے گا۔ ڈاکٹر پرکاش کوئی جواب نہ ملنے پر چلا گیا تو نوکرانی نے اسے کنگھا اور آئینہ لا کر دیا۔ پھر سلپچی سرکا کر اس کو منہ ہاتھ دھونے میں مدد دی۔ بالوں کو سنوارنے کے لیے جب اس نے اپنا چہرہ آئینے میں دیکھا تو خود کو پہچان تک نہ سکی۔

وہ کس قدر کمزور اور اداس تھی! پہلے جیسا نکھار اور حسن، کچھ بھی تو باقی

نہیں رہا تھا۔ وہ سوچنے لگی کہ اس کے باوجود ڈاکٹر پرکاش اس پر اتنا مہربان ہے! اس نے ابھی ابھی کتنی عجیب باتیں کی تھی۔ل سوچنے کے بعد وہ اسی نتیجے پر پہنچی کہ ڈاکٹر پرکاش کی ہمدردی میں واقعی کوئی ذاتی مفاد شامل نہیں تھا۔ اس نے دیکھا، پچھلے کئی دنوں کی بارش نے اس کی مانگ پر بال الجھا دیے تھے۔ جب اس نے بالوں کو سنوارا تو وہاں سیندور گھل چکا تھا۔ نام کو بھی وہاں وہ اپنے سہاگ کا نشان نہیں دیکھ سکی۔ اس کا دل ایک انجانے خوف کے سبب زور زور سے دھڑکنے لگا۔

پورٹیکو میں جب کار کا ہارن بجا تو وہ اسی طرح ادھوری ہی سنوری ہوئی زلفوں کے ساتھ اٹھ کر باہر نکل آئی نوکرانی نے سہارا دے کر اسے بہت احتیاط سے کار کی پچھلی سیٹ پر لٹا دیا۔ ڈاکٹر پرکاش نے جیوتی کو بہت مایوس نظروں سے دیکھا اور پھر کار کا ایکسیلیٹر دبا کر گاڑی کو اپنی رفتار پر چھوڑ دیا۔

ڈاکٹر پرکاش کی شب و روز تیمارداری نے چند ہی دن میں جیوتی کو وقت سے پہلے صحت یاب کر دیا۔

کلی مرجھاتے مرجھاتے پھر کھل اٹھی۔ پھر بھی ڈاکٹر پرکاش کے اصرار پر اسے مزید کچھ دن آرام کرنا تھا۔ وہ ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ جیوتی کے نرم و نازک جسم پر اس بھری جوانی میں مصائب کا بار پڑے۔ اسی کے ساتھ اس کا منشایہ بھی تھا کہ جیوتی اب اس کے دل کو اندھیروں سے ہم آغوش کر کے یہاں سے جائے بھی نہیں۔ جیوتی کے لیے پرکاش نے اپنے دل میں اب ایک نئی جیوتی پیدا کر لی تھی۔ اس جیوتی (روشنی) کے سہارے وہ اپنی پوری دنیا کو، اپنے مستقبل کو روشن کر لینے کا آرزومند تھا۔ اس جیوتی میں پرکاش نے اپنی زندگی کی نئی رہ گزر دیکھی تھی۔ اس رہ گزر پر نیا گھر بسایا تھا اور اس گھر میں جانے کتنے خواب پوشیدہ تھے! جیوتی، پرکاش کے لیے فکرمند رہتی اور اس کے حالات پر غور کرتی۔ اس کے دل کی حالت پر غور کرتی۔ اس کے دل کی حالت سے جیوتی واقف تھی، لیکن وہ خاموش رہی۔ اسے تو صرف اپنے سہاگ ہی کی فکر

تھی- اسے وہ ڈھونڈتی ہی رہتی تھی- ہر آنے جانے والے پر اس کی نظر جم کر رہ جاتی تھی- اس کے دل میں ابھی امید کا چراغ روشن تھا- زمانے بھر کی تند و تیز ہوائیں اس چراغ کو بجھا نہیں سکی تھیں- ڈاکٹر پرکاش' جیوتی کے گم صم رہنے سے فکر مند تھا' لیکن اس نے کبھی کچھ پوچھا نہیں- جیوتی سے کبھی کوئی سوال نہیں کیا' کوئی ایسا سوال کہ جس سے جیوتی کو دکھ ہو- اپنے بارے میں بھی وہ جیوتی سے باتیں نہیں کرتا تھا- اس طرح جیوتی جانے کیا سوچتی؟ اس کی تیمارداری کو وہ کسی مفاد کے حصول کا ذریعہ سمجھتی- وہ قطعاً" یہ نہیں چاہتا تھا- وہ ذہین شخص تھا- جیوتی کی مسلسل خاموشی کی کوئی نہ کوئی وجہ اس کے نزدیک ضرور تھیں- اس کے دل کے دریچے میں وہ دستک دیئے بغیر ہی داخل ہونا چاہتا تھا- پھر بھی جیوتی کا رویہ بدستور تھا- اس کے رویے سے ذرا بھی پتا نہیں چلتا تھا کہ ڈاکٹر پرکاش کی خاموش پرستش نے اس پر کوئی اثر کیا ہو- ڈاکٹر پرکاش سے وہ صرف ہمدردی کا اظہار کر سکی- ڈاکٹر اب صبح تو صبح' دن اور رات کے وقت بھی بغیر ضرورت راؤنڈ پر آنے لگا تھا- نرسوں اور دیگر اسٹاف نے بھی ڈاکٹر پرکاش کے اندر آنے والی اس تبدیلی کو محسوس کر لیا-

جیوتی بھی اسپیشل وارڈ میں تھی- جب وہ تندرست ہو گئی اور ڈاکٹر کے کہنے پر مزید آرام کرنا پڑا تو اب وہ لیٹے لیٹے اکتانے لگی- دل زیادہ گھبراتا تو وہ اپنے کمرے سے نکل کر برآمدے میں ٹہلنے لگتی- پھر وہ آس پاس کے مریضوں کے کمروں میں جھانکتی ہوئی آگے بڑھ جاتی- ریلنگ کے سہارے کھڑی ہوئی وہ باہر کے ماحول میں ڈوبی اپنے محبوب' اپنے سہاگ کا تصور کرتی رہتی- اسی پر تو اس کی تمام امیدوں کا دارومدار تھا- وہ لان میں بھی اتر کر چلی جاتی تھی- شام کے وقت وہ پتھر کی ایک بینچ پر بیٹھی ہوئی پھولوں کی مسکراہٹ اور اداسی پر غور کرتی رہتی- ہسپتال کے ماحول میں اسے تسکین کا احساس ہوا تھا- یہاں سے جاتے ہوئے وہ ایک فیصلہ کر لینا چاہتی تھی- اسے اب کہاں جانا ہے؟ کون اسے پناہ دے گا؟ کب تک وہ اسی طرح بھٹکتی ہوئی اپنی پاک دامنی کی حفاظت کر سکے

گی؟ کب تک اس پاپی دنیا سے یونہی برسرپیکار رہے گی؟ یہ ظالم سماج اسے جینے نہیں دے گا اور اس کے سہاگ کی تلاش اسے مرنے نہیں دے گی- وہ ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی تھی اسی لئے فکر مند بھی تھی- یہی وجہ تھی کہ جب ڈاکٹر پرکاش نے اسے کچھ دن اور یہاں رہ کر آرام کے لیے ضد کی تھی تو وہ انکار نہیں کر سکی تھی-

جیوتی کے پہلو والے کمرے میں ایک خاص مریض تھا- جیوتی نے اس مریض کو تنہائی میں بڑبڑاتے ہوئے بھی سنا تھا- اس مریض کے دیوانے پن کی کہانی اسے ہسپتال کی مہترانی سے لے کر نرس تک نے تھوڑی بہت ضرور سنائی تھی-

"جانے کہاں سے وہ مریض بن کر آیا ہے اور ڈاکٹر صاحب کا پیچھا ہی نہیں چھوڑتا"-

جیوتی نے اس مریض کے بارے میں اسی طرح کے تبصرے سنے تھے- جیوتی نے دیکھا تھا کہ ڈاکٹر پرکاش اس کے کمرے میں آنے کے بعد برابر والے کمرے میں بھی ضرور جاتا تھا-

رات کو تنہائیوں میں جیوتی نے برابر والے کمرے سے آتی ہوئی سسکیوں کی آواز بھی سنی تھی- آہیں جب ہوا کے جھونکوں کے ساتھ اس کے کمرے میں داخل ہوتیں تو جیوتی اٹھ کر بیٹھ جاتی تھی- مریض پر اسے ترس آتا- وہ سوچتی کہ شاید کوئی دکھوں کا مارا ہے- اس نے کئی بار یہ بھی سوچا تھا کہ بھگوان کسی کو اتنے دکھ دینے کے بعد اٹھا کیوں نہیں لیتا؟ اتنے دکھوں کے باوجود مریض ابھی تک زندہ تھا' جیوتی کو اس پر حیرت تھی-

معاً" ایک مرتبہ جب رات کا آغاز تھا' ڈاکٹر پرکاش بھی آکر واپس چلا گیا تھا تو جیوتی نے برابر والے کمرے سے کچھ تیز سسکیوں کی آواز سنی- یہ سسکیاں اس کے دل میں کسی تیز دھار خنجر کی طرح اتر گئیں تو وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھی- نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اپنے کمرے سے باہر آ گئی اور اس کے دروازے پر جا کر

کھڑی ہو گئی۔ چند ساعت کھڑے رہنے کے بعد اس نے دھیرے سے پردے
سرکایا۔ اس کے سامنے بیڈ پر جیسے کوئی زندہ لاش پڑی ہوئی تھی۔ دبے قدمو
میں وہ اس کے قریب پہنچی، بہت غور سے اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ کتنا بھیانک
اور کریہہ تھا! جیوتی اسے دیکھ کر کانپ اٹھی۔ چہرے پر کہیں پھپولے تھے
کہیں پھوٹے ہوئے چھالے تھے۔ جگہ جگہ کوڑھ جیسے داغ نظر آرہے تھے
لیکن قدرت نے اس کے ساتھ ایک انصاف ضرور کیا تھا۔ اس کی آنکھیں چھین
لی تھیں تاکہ اپنے بھیانک چہرے کو دیکھ کر وہ اور زیادہ نہ تڑپ سکے۔ جینے کی
آس بھی نہ کھو بیٹھے۔ جیوتی نے دیکھا کہ اس کی بے نور آنکھوں میں آنسو تیر
رہے تھے۔ ان آنسوؤں کو نہ دیکھنے کے باوجود وہ محسوس تو کر سکتا تھا۔ اسکی
حالت دیکھ کر جیوتی کا دل بھر آیا اور پلکیں آنسوؤں کے بوجھ سے جھک گئیں۔
اس نے سوچا، شاید یہ آدمی بھی میری ہی طرح دکھی ہے۔ اسے بھی شاید کسی کی
تلاش ہے۔ فرق صرف یہ ہو گا کہ اس آدمی کو کسی اور کی تلاش ہو گی۔ میں
خود اپنے پیار کی تلاش میں بھٹک رہی ہوں۔ بھلا میں اس کی کیا مدد کر سکتی ہوں
یہ سوچ کر وہ پلٹنے ہی والی تھی کہ جیسے کسی نے اس کے پیروں میں زنجیر ڈال
دی۔



اس کے منہ سے بے اختیار آہ نکل گئی ہے جس سے مریض چونک اٹھا تھا۔ اب تک
اس نے جو احتیاط برتی تھی، وہ رائیگاں گئی۔ اس نے فوراً کمرے سے نکل جانا چاہا تھا، مگر
اسی وقت مریض کی آواز سن کر اسے رک جانا پڑا۔ مریض نے کمرے میں اس کی موجودگی کو
محسوس کر لیا تھا۔

"کون ہے؟" مریض کی آواز سنائی دی تھی۔

جیوتی سہم گئی جیسے چوری کرتے پکڑی گئی ہو۔ دم سادھے وہ اپنی جگہ کھڑی رہ گئی۔

"کون ہے بھئی" وہ مریض دیپک ہی تھا، اس مرتبہ نسبتاً دیپک کی آواز کچھ تیز تھی۔

"میں..... میں ہوں۔"

جیوتی کے منہ سے بمشکل آواز نکل سکی۔ پھر بھی یوں لگا اس کی آواز کسی ساز کی
سب سے شیریں موسیقی بن کر کمرے میں پھیل گئی ہو۔

دیپک خاموش ہو گیا۔ مزید کوئی سوال کرنے کے بجائے وہ اس آواز کے سحر میں اس
طرح کھو گیا کہ اسے جیوتی کے چلے جانے کا ذرا بھی گمان نہیں ہوا اس آواز کی مٹھاس
جیسے دیپک کی روح میں اتر گئی تھی۔ اس کے زخموں کی کسک کم سی ہو گئی، دل کی جلن پر
اچانک ہی برف سی ٹھنڈک چھا گئی۔

چند لمحے کو اس نے سوچا، کاش میری جیوتی، زندہ ہوتی! اس کی بھی شاید اتنی ہی،

شاید اس سے بھی زیادہ میٹھی ہوتی۔ میں کتنا بدنصیب ہوں کہ اسے خود سے قریب تر کرنے کے باوجود اس کے حسین لبوں کو حرکت کرتے نہ دیکھ سکا' اس کی آواز بھی نہیں سن سکا۔ جیوتی کے ہونٹوں کی خوبصورت بناوٹ ہی سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ ان ہونٹوں سے نکلنے والی آواز بھی نرم و شیریں ہوگی' ایسی ہی میٹھی آواز جو ابھی ابھی جیسے ساری فضا پر چھا گئی تھی۔

معاً" دیپک چونک اٹھا اور اسے ندامت سی محسوس ہوئی۔ پھر وہ آپ ہی آپ بڑبڑانے لگا۔

"نہیں' نہیں' ایسا نہیں ہو سکتا.....! ایسا نہیں ہونا چاہئے.....! کسی..... کسی بھی پرائی عورت کے بارے میں کچھ سوچنے کا مجھے کوئی حق نہیں..... اچھے خیالات رکھتے ہوئے بھی نہیں سوچنا.....!"

اس کی بڑبڑاہٹ سوچ میں تبدیل ہو گئی۔ اسے چھایا یاد آئی۔ اس نے چھایا کو نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا دل رکھ لیا تھا۔ شاید یہی اس کا گناہ تھا۔ غالباً اسی لئے قدرت نے اس کی آنکھیں چھین لیں' خوبصورتی بھی چھین لی' زندگی کو موت سے بدتر بنا دیا۔ وہ سوچنے لگا' اگر اب میں اس میٹھی آواز والی لڑکی کے خیال میں کھو گیا تو مجھے اس سے بھی سخت سزا بھگتنی پڑے گی۔ نہیں نہیں' میں ایسا نہیں کروں گا' ہرگز نہیں! اپنی جیوتی کی روح کو تکلیف دینے سے بڑا گناہ اس کے نزدیک کوئی اور نہیں تھا۔

دوسرے دن شام کا وقت تھا۔ ماحول میں کہیں دور ہونے والی بارش کی خوشبو سی بسی ہوئی تھی۔ دیپک کیاریوں کے پاس کھڑا ہوا پھولوں کو ٹٹول رہا تھا۔ کانٹے ہاتھ میں چبھنے کے باوجود اس نے ایک پھول توڑ ہی لیا۔ نتھنوں کے قریب لا کر اس نے پھول کو سونگھا اور مسکرا دیا۔

اچانک کسی کے پاس سے گزرنے کی آہٹ ہوئی تو اس نے آواز دی۔

"کون ہے بھائی؟"

"صاحب! میں ہوں مالی۔"

جواب ملا۔

"اچھا۔"

وہ بولا اور آواز کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ گلاب کا پھول ہے نا؟"

"جی صاحب!"

مالی نے فوراً ہی کہا تا کہ تاخیر سے جواب دینے پر دیپک کو شبہ نہ ہو جائے۔ مالی جانتا تھا کہ دیپک کو سرخ گلاب بھی ہوتا تو وہ اسے سفید ہی بتاتا تھا۔ آج بھی ایسا ہی ہوا۔ جھوٹ بول کر مالی وہاں ٹھہر نہ سکا اور آگے بڑھ گیا۔ دیپک پھر پھول سونگھنے لگا۔

جیوتی برآمدے میں کھڑی سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ دیپک کی حالت دیکھ کر اس کا دل پھر بھر آیا' ہمدردی پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی۔ اس بدنصیب انسان کے غم کا سبب وہ اس کی بیماری کو ہی سمجھی تھی۔ وہ سوچنے لگی کہ یہ کب تک ٹھیک ہوگا؟ کیا وہ اپنی ساری ہی زندگی اسی حالت میں گزار دے گا اور اسی جگہ؟

خوشگوار ماحول پر ذرا ہی دیر میں بدلی چھا گئی۔ پھر بارش کی موٹی موٹی بوندیں بھی گرنے لگیں۔ اس نے دیکھا' دیپک سرعت سے کمروں کی طرف دوڑا۔ تبھی برآمدے کی سیڑھی پر قدم رکھتے ہی وہ پھسل گیا۔ کوئی سہارا نہ پا کر وہ اس طرح گرا کہ اس کا سر کھمبے سے ٹکرا کر جیوتی کے قدموں میں آ گیا۔

جیوتی کانپ اٹھی۔ ایک بار جھک کر اس نے دیپک کو اٹھنے کے لیے سہارا دینا چاہا' لیکن پھر ٹھہر گئی۔ کسی پرائے مرد کو یوں چھو لینا اس کے نزدیک مناسب نہیں تھا۔

دیپک از خود ہی سنبھل کر اٹھنے لگا تو وہ دھیرے سے پیچھے ہو گئی۔ دیپک ایک بار لڑکھڑایا' پھر سنبھل گیا۔ اس نے جھک کر اپنے ہاتھ فرش پر پھیرنا شروع کئے۔ وہ اپنے ہاتھ سے گرے ہوئے پھول کی تلاش کر رہا تھا۔ پھول جیوتی کے قدموں کے پاس پڑا تھا۔ وہ جھکی اور پھول اٹھا لیا۔ پھر قدم اٹھا کر دیپک کے نزدیک پہنچی۔ دیپک اس کی آہٹ پاتے ہی سیدھا کھڑا ہو گیا۔ وہ شاید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ جیوتی نے پھول اس کی طرف بڑھا دیا۔

"شاید آپ اپنا پھول ڈھونڈ رہے ہیں!"

جیوتی نے اسے مخاطب کیا۔

دیپک کے لب جوں کے توں کھلے رہ گئے۔ وہ مترنم آواز اسے دوبارہ سنائی دی تھی جس نے اس کے دل کے تاروں کو پہلے بھی جھنجوڑ دیا تھا۔ آواز میں اس وقت بھی ایسی

مٹھاس تھی جسے وہ قبول کرنے سے باز نہ رہ سکا۔ اس میٹھی آواز والے لبوں کا نظارہ کرنے کے لیے وہ ترس کر رہ گیا۔

"آپ پھول ہی ڈھونڈ رہے ہیں نا!؟"

جیوتی نے اس کی بینائی سے محروم آنکھوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی!......جی جی ہاں"

دیپک جیسے کسی خواب سے جاگ اٹھا۔ اس نے ہاتھ بڑھایا۔

"برائے مہربانی مجھے میرا پھول دے دیجئے' آپ ہی کے پاس ہے نا؟"

"جی۔"

جیوتی بولی اور پھول کی ٹہنی اس کی انگلی میں پھنسا دی۔

دیپک چند لمحے خاموش کھڑا ہوا پھول کی ٹہنی کو گھماتا رہا۔ پھر اس نے پوچھا۔

"آپ یہاں کی نئی نرس ہیں کیا؟"

اسی وقت ڈاکٹر پرکاش ادھر نکل آیا۔ اس نے بھی دیپک کا جملہ سن لیا تھا۔ وہ چونک کر کہنے لگا۔

"ہاں دیپک یہ ہمارے ہسپتال کی نرس ہیں۔"

جیوتی نے پرکاش کو تعجب سے دیکھا۔

ڈاکٹر پرکاش نے اس کے تشویش کن خیالات کی پروا نہ کرتے ہوئے پھر کہا

"یہ دیپک ہے' شاید دنیا کا سب سے دکھی انسان! میرے دل میں اس کے لیے جتنا پیار ہے شاید خود اسے بھی اس کا علم نہیں۔ معلوم نہیں کیوں میں اسے اتنا چاہتا ہوں!"

"ڈاکٹر صاحب!"

دیپک نے شرمسار ہو کر کچھ کہنا چاہا۔ "آپ....."

"میں ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں۔"

ڈاکٹر پرکاش اس کی بات کاٹ کر بول اٹھا۔

"اگر تم میرے دل کا درد سمجھتے' تمہیں میری محبت کا اندازہ ہوتا تو خوش نہ دکھائی دیتے! جب دیکھو تم اپنے ہی غم کے جہان میں ڈوبے رہتے ہو۔ مجھے اپنا رازدار بنانے میں تمہیں کیوں شرم آتی ہے؟"

"نہیں نہیں ڈاکٹر صاحب! ایسا نہ سمجھئے۔"

دیپک گھبرا کر بولا۔

"ایسی بات ہرگز نہیں ہے' آپ کا دکھ درد سمجھ کر ہی تو میں نے آپ کو بتایا نہیں' آپ..... آپ تو خود اکیلے رہ گئے ہیں۔ اپنے ساتھ آپ کو بھی ملول کرنے سے مجھے کیا فائدہ!"

"اپنی بیتی بتانے سے دکھ بٹ جاتا ہے۔"

ڈاکٹر پرکاش نے کہا' پھر جیوتی سے تصدیق چاہی۔

"کیوں جیوتی دیوی؟"

"جیوتی دیوی؟"

دیپک کے دل کی دھڑکنیں اچانک ہی تیز ہو گئیں۔

"ہاں دیپک!"

ڈاکٹر پرکاش بولا۔

"یہ جیوتی دیوی ہیں' آیئے جیوتی دیوی' کمرے میں چلئے مجھے جلد ہی واپس بھی جانا ہے۔"

ڈاکٹر پرکاش قریبی کمرے میں داخل ہوا تو جیوتی بھی دیپک پر ایک نظر ڈال کر چلی گئی۔

دیپک اپنی جگہ کھڑا ہوا سوچتا ہی رہ گیا۔ جیوتی......؟ لیکن نہیں مجھے نام پر زیادہ دھیان نہیں دینا چاہیے۔ دنیا میں ایک ہی نام کے بہت سے لوگ ہوتے ہیں۔ میری جیوتی تو بس اب میرے دل ہی میں زندہ ہے ورنہ تو اس کا جسم کبھی کا راکھ بن چکا ہے۔ ایک بار میں نے اپنی جیوتی کے علاوہ چھایا کے بارے میں سوچا تھا اور اب تک پچھتا رہا دل۔ اب اگر اس نام کے دھوکے میں آ گیا تو جانے میرا کیا حال ہو! اپنی جیوتی کے سوا مجھے کسی کے بارے میں کچھ بھی نہیں سوچنا چاہئے۔ ایسی جیوتیاں تو جانے کتنی ہوں گی! میری جیوتی تو اس جہان کا بالکل انوکھا شاہکار ہے' بھلا اس کا کیا جواب! نہیں' میں کبھی کسی نام' کسی آواز کو سن کر اپنے دل کو فریب نہیں دوں گا۔ ان آوازوں اور ناموں میں اپنی جیوتی کے جذبات کی تلاش نہیں کروں گا...... ہاں کبھی نہیں! کتنا بے وقوف ہوں میں جو ایسی

باتیں سوچ کر افسردہ ہونے لگتا ہوں! یہ سوچتے ہوئے دیپک کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی وہ اپنی نادانی پر مسکرا رہا تھا۔ پھول کو سونگھتا ہوا وہ اپنے کمرے میں چلا آیا۔

جیوتی جب سے ہسپتال میں آئی تھی' اپنی مانگ میں سیندور نہیں بھر سکی تھی۔ پہلی مرتبہ جب ہوش میں آ کر اس نے ایک صبح خود کو سنوارنا چاہا تھا تو مانگ تک انگلی پہنچتے پہنچتے کانپ کر رہ گئی تھی۔ آئینے میں اسی کے عکس نے جیسے چپکے سے کہا تھا' یہ کیا کر رہی ہے پگلی؟ اور جیوتی حیرت سے آئینے کو دیکھنے لگی تھی۔ اس نے حیران ہو کر اپنے لبوں کو بھی دیکھا تھا' مگر اس کے لب حرکت نہ کرنے پر بھی اسے آگاہ کر رہے تھے' کون کہتا ہے تیرا شوہر زندہ ہے؟ جس نے تیری محبت میں اتنے دکھ جھیلے بھلا کیا وہ اب تک تیری یاد میں تڑپ کر مر نہیں گیا ہو گا! اپنی نئی زندگی کو مدنظر رکھ اور قدرت کا راز جاننے کی کوشش کر! قدرت اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے کوئی بھی پر اسرار سہارا لے سکتی ہے! تجھے قدرت جانے کس مقصد کے لیے یہاں کھینچ لائی ہے!"

"نہیں' ایسا نہیں ہو گا!"

جیوتی بڑبڑانے لگی تھی۔

"جس مقصد کو لے کر میں یہاں آئی ہوں' اسے پورا کر کے ہی دم لوں گی۔ اگر یہ مقصد پورا نہیں ہوا تو میں اپنی جان دے دوں گی۔ اپنے سہاگ کو حاصل کرنے کے سوا میرے ذہن میں کسی اور مقصد کا خیال بھی آنا گناہ عظیم ہو گا۔"

جیوتی نے چاہا کہ اپنی مانگ بھر لے۔

اپنے ہی دل کی آواز اسے پھر سنائی دی جو اسے ناگوار محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے دل نے کہا' ٹھہر جا جیوتی! تو سکون کی تلاش میں بھٹکنا چاہتی ہے تو بھٹکتی رہ! لیکن ابھی سیندور کو اپنی مانگ میں نہ بھر! کیا تو یہ چاہتی ہے کہ دنیا والے تیرا مذاق اڑائیں؟ تو خود کو سہاگن کہے اور تجھ سے اس کا ثبوت چاہیں؟ کیا ثبوت ہے تیرے پاس کہ تو سہاگن ہے کیوں تو خود کو تماشا بنانا چاہتی ہے؟ کیا اپنا راز فاش کرنا تیرے لیے مناسب ہو گا؟ کبھی سوچا بھی ہے تو نے کہ تیری مانگ بھری دیکھ کر یہ دنیا تجھ سے کیا کیا سوال کرے گی..... ؟ کون ہے تیرا شوہر؟ کہاں سے آیا تھا؟ کہاں گیا ہے؟ کبھی دیکھا بھی ہے تو نے اسے؟ اس کو پہچانتی ہے تو؟ وہ تجھے کیوں چھوڑ کر چلا گیا؟ تیرا یہ عجیب حادثہ ان کے لیے مذاق کا ذریعہ بن

جائے گا۔ اگر تیری باتوں پر یقین بھی کر لیا گیا تو تیری زندگی جہنم بن جائے گی۔ پھر تو کہیں کی نہیں رہے گی۔ جانے کتنے لوگوں کی ہمدردی سے تو محروم ہو جائے گی! پھر تیرے حسن و جوانی کی وہ قدر نہیں ہو گی جو ہونی چاہیے۔ زندگی کا یہ سفر بہت طویل ہے اور تیری زندگی کا سفر تو اور بھی کٹھن اور تھکا دینے والا ہے۔ کب تک تو اس عمر' اس جوانی کا بوجھ اٹھائے بھٹکتی پھرے گی؟ سہاگ کو چند روز تلاش کر کے اگر اطمینان ہی کرنا ہے تو اس کا بھی امتحان لے لے' لیکن یاد رکھ' تجھے کسی بھی کام کے لیے سہارے کی ضرورت ہے اور سہارا تجھے وہی دے گا جسے تجھ سے کوئی آس ہو۔ تو اپنے مقصد کو اسی وقت پورا کر سکتی ہے جب تیرا راز صرف تجھی تک محدود رہے۔ کسی کو بھی یہ پتا نہ چلے کہ تو سہاگن ہے۔ ڈاکٹر پرکاش کو تجھ سے ہمدردی ہے۔ اس کی مہربانی کا سہارا لے کر تو اس ہسپتال میں پوری طرح محفوظ ہے۔ اب اس کا دل نہ دکھاتے ہوئے تو چوری چھپے اپنے سہاگ کی تلاش بھی جاری رکھ سکتی ہے۔ تجھ سے کوئی بھی کچھ پوچھنے والا نہیں ہو گا کہ تجھے کس کی تلاش ہے؟ اور تلاش ہے بھی یا نہیں؟

جیوتی کے ذہن میں اپنے دل کی باتیں گھر کر گئیں۔ اسے یہ باتیں بعد از قیاس معلوم ہوئیں۔ تنہا رہ کر اپنے سہاگ کو تلاش کرتے کرتے وہ ایک بار ایسی بھٹک گئی تھی کہ اگر وقت پر ڈاکٹر پرکاش کی کار میں نہ بیٹھ جاتی تو یقیناً وہ اپنی عزت و آبرو گنوا بیٹھتی' پھر وہ اپنے سہاگ کو کیا منہ دکھاتی! کیسے اس کا سامنا کرتی! وہ تو کہیں کی بھی نہ رہتی۔ جوانی اور وہ بھی ایک حسین ترین لڑکی کی جوانی' سماج کی نظروں میں کس بری طرح کھٹکتی ہے' جیوتی کو اس کا تجربہ ہو چکا تھا۔

پھر جیوتی نے سیندور کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اپنے دل میں سلگتی ہوئی آگ کا دھواں اس نے چھپا لیا تھا۔ اس دھویں سے اگرچہ اسے گھٹن کا احساس ہونے لگا تھا' پھر بھی وہ مطمئن تھی۔ اپنے راز کو چھپائے رکھنے کی اس کے پاس اور سبیل بھی کیا تھی!

آج دیپک کو چھوڑ کر جب وہ ڈاکٹر پرکاش کے ساتھ اپنے کمرے میں آئی تو اس نے سوچا کہ صحت یاب ہونے کے بعد اب وہ ڈاکٹر سے کسی کام کے لیے کہہ دے۔ در در بھٹکنے سے تو یہ اچھا ہی رہے گا کہ اس کا دل بھی بہلا رہے' اسے تحفظ بھی حاصل رہے اور اپنی تلاش بھی جاری رکھے۔

"اب آپ مکمل صحت یاب ہو چکی ہیں۔"

ڈاکٹر پرکاش اس سے مخاطب ہوا۔

"جیوتی دیوی! کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ یہاں سے جانے کے بجائے ہمارے ہی ہسپتال میں کوئی کام سنبھال لیں؟ میرا مطلب یہ ہے کہ آپ تعلیم یافتہ ہیں' چاہیں تو کچھ دن میں نرسنگ سیکھ سکتی ہیں۔ آپ کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہو گا۔ یا پھر آپ کوئی اور کام کر سکتی ہیں' لکھنے پڑھنے کا کوئی کام! مریضوں کی وجہ سے آپ کا دل بھی یہاں لگا رہے گا۔ آپ کی یہ دن رات سوچتے رہنے کی عادت بھی ختم ہو جائے گی۔ آخر آپ یہاں سے جائیں گی بھی کہاں؟ اتنی بڑی دنیا میں قدم قدم پر شیطان موجود ہیں۔"

جیوتی کے دل کی بات خود ڈاکٹر پرکاش کی زبان پر آ گئی۔ قسمت یقیناً اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ پھر بھی وہ خاموش رہی' زبان سے کچھ نہ کہا اور نظریں جھکا لیں۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا اور دل میں اٹھتی ہوئی مسرت کی لہروں کو دبا کر وہاں سے چلا گیا۔ اس کے قدم یوں اٹھ رہے تھے جیسے کسی اہم مسئلے کا حل تلاش کر لیا ہو۔

اس روز کے بعد سے جیوتی نے نرسنگ میں خصوصی دلچسپی لینا شروع کر دی۔ شب و روز مریضوں کی تیمارداری اور دیکھ بھال سے اسے روحانی سکون اور مسرت کا ایک نیا تجربہ ہوا۔ اس نئے ماحول سے جیوتی نے مصالحت کر لی۔ اس کے دل کی دہکتی آگ پر جیسے شبنم کے چھینٹے سے پڑنے لگے تھے۔ اسے ایک نئی دنیا میں ہونے کا احساس بڑا اطمینان بخش لگا۔ اس دنیا میں جیوتی کو اپنا حسن' اپنی جوانی محفوظ معلوم ہوئی۔ اسے پہلی بار یہ احساس ہوا کہ صرف اپنے ہی لیے جینا کوئی جینا نہیں ہے۔ دوسروں کی مدد کرنے میں جو سکون ملتا ہے' جو خوشی حاصل ہوتی ہے' اس کا کوئی بدل نہیں۔ خود اپنے ہی مفاد کے لیے زندہ رہنا شاید ایک گناہ کے مترادف ہے۔ مریضوں کا دکھ درد بانٹ لینے پر اسے خود اپنے غم میں کمی محسوس ہوتی۔ درد سے بلکتے اور تڑپتے ہوئے لوگوں کے آنسو پونچھ کر اسے خیال آتا کہ خود اس کی آنکھوں سے ہمیشہ جاری رہنے والا غم کا سوتا خشک ہو رہا ہے۔ موت سے مقابلہ کرتے ہوئے انسانوں کی زندگی بچانے کے لیے جب وہ اپنی دلچسپی اور پوری قوت کے ساتھ لڑتی تو محسوس کرتی کہ اس کے کھوئے ہوئے سہاگ کو ایک اور زندگی مل گئی ہے۔ اپنی خدمت کے پس منظر میں اسے امیدوں کے چراغ میں نئی روشنی

کا احساس ہوا۔ وہ سوچتی شاید ایک دن میرا شوہر بھی غم و یاس کا بوجھ لئے تھکا ہوا انہیں مریضوں میں شامل ہونے چلا آئے۔

ایسے ہی خوش آئند خیالات اسے جینے کا نیا حوصلہ بخش دیتے۔ وہ سوچنے لگتی کہ اگر واقعی ایسا ہو جائے تو میں اپنے سہاگ کو پا کر دن رات اس کی خدمت میں گزار دوں گی' اپنے لہو سے اس کی زندگی کی حفاظت کروں گی۔ پھر تو سب کو اپنے متعلق بتانے میں مجھے کوئی شرم نہیں آئے گی۔ آخر میرا سہاگ جو مل جائے گا' اپنی شوہر پرستی پر اسے کس قدر اعتماد تھا! معلوم نہیں کیوں اسے اب یقین سا ہو چلا تھا کہ اس کی منزل زیادہ دور نہیں۔



جیوتی اس سے بے خبر تھی کہ ڈاکٹر پرکاش نے بھی اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے اسے ہسپتال میں ملازمت دے کر راہ ہموار کرلی ہے' لیکن وہ یوں آسانی سے اس راہ پر نہیں چل سکتا تھا۔ وہ اسی کوشش میں رہتا کہ اسے جیوتی کا قرب حاصل رہے۔ جب بھی وہ کسی مریض کا اپریشن کرتا تو دوسری نرسوں کے علاوہ جیوتی کو بھی ساتھ رکھتا۔ جیوتی کے قریب وہ کسی بھنورے کی طرح منڈلاتا رہتا۔ جانے کیوں اسے خود پر اتنا اعتماد تھا کہ جیوتی اب اپنے قریب اس کی موجودگی کو پسند کرنے لگی ہے! حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ جب تک از حد ضرورت نہ ہوتی جیوتی اس کی پرچھائیں سے بھی گریز کرتی۔

رفتہ رفتہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جیوتی کی بے خبری ختم ہوتی گئی' ڈاکٹر پرکاش کا مفہوم اس کی سمجھ میں آنے لگا۔ اشاروں اور کنایوں کی باتیں سمجھتے ہوئے بھی وہ انجان سی بنی رہتی۔ ڈاکٹر پرکاش کے مشکل سے مشکل اور تفصیل طلب سوال کا جواب بھی وہ مختصر الفاظ میں دیتی۔ زیادہ تر وہ

"ہوں' ہاں"

ہی سے کام چلالیتی تھی۔ جب ڈاکٹر پرکاش اسے اپنی باتوں میں الجھانے کی سعی کرتا تو وہ کسی بہانے اس کے پاس سے ہٹ جاتی اور مریضوں کے کام کاج میں مصروف ہو جاتی۔ اس کی مسلسل بے غرض خدمت نے ایک ایک مریض کا دل موہ لیا تھا۔ وہ محسوس کرتی

کہ ڈاکٹر پرکاش بہت دیر سے اسے کام کرتے ہوئے دیکھ رہا ہے۔ اس کی آنکھوں سے ایک عجیب سے راز کا انکشاف ہوتا' بے لاگ محبت کا راز! جیوتی اب یہ راز سمجھنے لگی تھی۔

"تم اتنا زیادہ کام کیوں کرتی ہو؟"

ڈاکٹر پرکاش کسی نہ کسی بہانے اس سے بات کرتا۔

"تھوڑا آرام بھی کرلیا کرو!"

وہ کوئی جواب نہ دیتی' جنگل میں بھٹکتی ہوئی ہرنی کی طرح ادھر ادھر ٹکر ٹکر دیکھنے لگتی تاکہ راستہ ملتے ہی بھاگ نکلے۔

ڈاکٹر پرکاش نے اسے ہسپتال کے احاطے میں وہ کوارٹر دے دیا تھا' جس میں پہلے دیپک رہتا تھا۔ دیپک کا سارا چھوٹا موٹا سامان جمع کر کے اس نے ایک طرف رکھ دیا تھا۔ دن تو دن رات میں بھی وہ یونیفارم کے بغیر ہسپتال میں مریضوں کے پاس پہنچ جاتی حالانکہ اس کی ڈیوٹی نہ ہوتی۔ آج کل زیادہ تر وہ دیپک کی خدمت گزاری میں بہت منہمک رہنے لگی تھی۔ دیپک کی خدمت کر کے اسے بے حد دلی تسکین حاصل ہوتی تھی۔

اپنی خدمت گزاری کا صلہ جیوتی کو دیپک کے دل کی گہرائی سے نکلتی ہوئی دعاؤں سے ملا۔ اس کی دعائیں بہت بااثر تھیں۔ اس کے لبوں سے گویا کسی دیوتا کے الفاظ کا سرگم پھوٹتا تھا۔ دیپک کی بے نور آنکھوں میں بھی جیوتی نے ایک زندگی پانے کی جھلک دیکھی تھی۔ وہ سوچتی کہ ان آنکھوں میں امید کا کتنا زیادہ نور ہے! وہ یقیناً کسی امید ہی کے سہارے جی رہا ہے۔ پھر بھلا وہ امید کا دامن اپنے ہاتھ سے کیوں چھوڑے! دیپک کو دیکھ کر اس کا حوصلہ بڑھ جاتا کہ وہ بھی ایک دن اپنی منزل کو حاصل کر کے رہے گی۔ دیپک جیسا بدشکل اور مریض آدمی اپنے جینے کی آس رکھتا ہے تو وہ بھلا کیوں ناامید ہو! وہ کیوں اپنی خوشیوں کے حصول کی امید نہ رکھے!

دیپک کی خدمت کر کے اسے خوشی ہوتی' خوشی سے زیادہ آرام' آرام سے زیادہ تسکین' تسکین سے زیادہ امید اور امید سے زیادہ اعتماد حاصل ہوتا۔ آخر کب تک قدرت اس کا امتحان لے گی؟ کبھی کبھی وہ سوچتی کہ کہیں آسمان سے کسی فرشتے نے اس کے محبوب کا جسم اپنا کر اسے نئی زندگی تو نہیں دے دی؟ یہ نئی زندگی دے کر وہ کتنی

جلدی اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا! اسے اپنا جلوہ دکھائے بغیر ہی چلا گیا۔ یہ ایک عجیب سی بات تھی جسے دنیا اگر تسلیم کر لیتی تو پھر یقیناً وہ دوبارہ اپنی گذشتہ زندگی اپنانے پر مجبور ہو جاتی۔ یہ تو قدرت کی مرضی تھی کہ اسے بنارس میں اپنی سوتیلی ماں کے آہنی چنگل سے آزادی نصیب ہو گئی تھی ورنہ تو اس دنیا کا اعتماد اپنے عزیز و اقراب سے بھی اٹھ جاتا۔ اپنی گذشتہ زندگی کی تلخ یادوں کو وہ اپنے ذہن سے جھٹکتی رہتی۔

جیوتی نے دیپک سے اس کے متعلق بہت کچھ معلومات حاصل کرنا چاہی تھیں‘ لیکن اپنے دل کا راز چھپانے کی غرض سے دیپک اسے ٹال گیا تھا۔ اپنی حقیقت کس زبان سے وہ اس پر آشکار کرتا! پھر وہ تو کیا ساری دنیا ہی اس پر ملامت کرتی‘ اسے مجرم قرار دیتی۔ سماج اسے کہیں پناہ نہ دیتا۔ کسی کی لاش کو یوں چپکے سے چرا کر غائب ہو جانا کتنا بڑا جرم ہے! وہ خود بھی اپنے دل کو یہ باور کراتا رہتا کہ بیتی ہوئی زندگی ایک خواب تھی۔ یہ خواب اس کا دیوانہ پن ہی تھا جسے پیار سمجھ کر وہ دنیا کی بھلائی برائی بھی نہیں پہچان سکا‘ اسے یہ احساس بھی نہ رہا کہ وہ کوئی جرم کر رہا ہے۔

ایک رات جیوتی اس کی زبان کھلوانے پر تل ہی گئی۔ اس رات بھی ڈیوٹی کے بغیر دوسرے وارڈ میں چکر لگاتے لگاتے وہ دیپک کے پاس چلی آئی تھی۔ کمرے میں داخل ہو کر وہ بڑی خاموشی سے اس کے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ دیپک آنکھیں کھولے اندھیرے ہی میں اپنی جیوتی کو تلاش کر رہا تھا۔ بیڈ کے ہلنے سے وہ اٹھ بیٹھا۔

"کون ہے؟"

دیپک نے پوچھا۔

"میں ہوں۔"

جیوتی نے جواب دیا۔

"جیوتی جی...... جیوتی دیوی۔"

دیپک یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

جیوتی اس کی بے نور آنکھوں کی طرف دیکھتے ہوئے جانے کہاں کھو گئی۔ کمرے کے ماحول میں ایک سوگوار اور بوجھل سی خاموشی تیر رہی تھی۔

"تم اتنے اداس کیوں رہتے ہو؟"

چند لمحے خاموش رہ کر جیوتی نے اسے کریدا۔

"جس دیپک کی جیوتی بجھ جائے‘ وہ کیا اداس نہیں رہے گا!"

دیپک نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں تمہارا درد سمجھتی ہوں۔"

جیوتی نے اسے تسلی دی۔ لیکن درد کی ایک لہر اس کے دل میں بھی اٹھی۔ پھر وہ بولی۔

"میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں‘ بھگوان کرے تم جلد اچھے ہو جاؤ تو پھر میں تمہاری کہانی سن سکوں۔"

"میری کوئی کہانی نہیں۔"

دیپک نے تڑپ کر کہا۔

"تو پھر تمہیں اس قدر دکھی رہنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ اداسی بلا سبب تو نہیں ہو سکتی!"

"میں...... میں اپنی جیوتی کے لیے اداس رہتا ہوں۔"

"اس دنیا کی ہر شے بھگوان نے تخلیق کی ہے۔ تمہارے جسم کا ہر عضو بھی اسی کا کوئی راز منکشف کرنا چاہتا ہے۔ اگر اس نے تمہاری جیوتی چھین لی تو اتنا مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔"

وہ کچھ نہ بولا۔ اس بحث میں پڑ کر وہ اپنے دل کا راز کھول کر کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر کے لیے کمرے میں پھر ایک مرتبہ خاموشی چھا گئی۔ جیوتی اسے دیکھتی رہی‘ وہ اسے کسی گہرے سمندر کی طرح معلوم ہوا‘ دیپک اندھیرے کو گھورتا رہا۔

"اس دنیا میں کیا تمہارا کوئی بھی نہیں؟"

جیوتی نے کچھ دیر کے بعد پھر ایک سوال کر دیا۔

"کیوں نہیں" دیپک بولا۔

"میرے خیالات میرے ساتھ ہیں۔"

"اور ان خیالوں میں کون ہے؟"

"میری بیوی۔"

"تمہاری شادی ہو چکی ہے؟"

"ہاں اور کیا!"

"کہاں ہے تمہاری بیوی؟ آئی نہیں تمہیں دیکھنے؟"

"آتی ہے۔"

"مجھے ان سے ملوانا! میں نے اب تک انہیں نہیں دیکھا ہے۔"

"تمہارے سامنے وہ کبھی نہیں آئے گی۔"

"تو پھر میں چل کر خود ہی ان کے پاس آجاؤں گی یا تمہارے گھر جا کر مل آؤں گی۔ مجھے پتا دے دینا' وہ کہاں رہتی ہیں؟"

"بہت دور! تم وہاں نہیں جا سکتیں۔ وہ تم سے ملنا بھی نہیں چاہے گی۔ عورت ہے نا! ایک بار ایک چھایا میرے پاس چلی آئی تھی' ہمدردی کا پیغام لئے! اس نے چھایا کو دیکھ لیا تو مجھ سے روٹھ گئی' دور چلی گئی' میرے پیار کو کمزور پا کر اس نے مجھے ایسی سزا دی کہ جسے میں اب تک بھگت رہا ہوں۔"

جیوتی کچھ سمجھی کچھ نہیں سمجھی۔ ہاں وہ یہ ضرور جان گئی کہ دیپک اپنے اشکوں میں بسی ہوئی تصویر کو کبھی ظاہر نہیں کرے گا۔ دیپک کی سسکیوں سے اس کا دل تڑپنے لگا تھا' آنکھیں بھیگ چکی تھیں' وہ خاموش ہو گئی۔

"کیا بج گیا؟"

کچھ دیر بعد دیپک نے گہرا سانس لے کر پوچھا۔

"تین۔"

"تم ابھی تک سوئی نہیں؟"

"نیند نہیں آتی۔"

"شاید کسی بے حرم نے تمہاری نیند چرالی ہے۔"

دیپک نے برجستہ کہا۔

"ممکن ہے۔"

جیوتی نے مبہم سا جواب دیا۔

"لیکن جیوتی دیوی' بھلا تمہاری نیند چرانے کی ہمت اس دنیا میں کس نے کی؟

تمہاری آواز بہت میٹھی اور مترنم ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم حسین بھی ہو گی۔ بے حد حسین! جیوتی دیوی! کبھی کبھی میں اپنے خیالوں کی دنیا میں نکل کر جانے کیوں تمہارے خیالوں میں کھو جاتا ہوں۔ دل چاہتا ہے تمہیں دیکھوں' تمہارے حسن کا مشاہدہ کروں! یکن کاش میری آنکھیں ہوتی تب ہی یہ سب کچھ ممکن تھا۔ دل میں یک انوکھی خواہش ہے کہ میں تمہارے حسن سے قدرت کے ہاتھوں بنے اس شاہکار کا موازنہ کروں جو کبھی کا فنا ہو چکا ہے' جل کر بھسم ہو گیا ہے۔ اس کا نام و نشان مٹ گیا ہے۔ اب تو صرف اس کی یاد باقی رہ گئی ہے۔ میرے دل کے آئینے پر اس کے حسن کا ایک ایک نقش موجود ہے بس اسی سے تمہارا موازنہ کرنا چاہتا ہوں۔ نرسوں سے جب بھی کبھی میں تمہارے تعلق پوچھتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے' یہ احساس ہوتا ہے کہ قدرت ان کی زبانی جیسے یرے راز کا مضحکہ اڑا رہی ہے۔ کبھی کبھی تمہاری باتوں میں میرے جذبات حقیقی لباس بن کر سامنے دکھائی دیتے ہیں۔ ہے نا کس قدر عجیب بات؟"

جیوتی کچھ نہیں بولی۔ اس غم کے مارے کا کوئی لفظ بھی جیوتی کے دل پر تیر بن کر یں چبھا' وہ جانتی تھی کہ یہ بے چارہ اندھا ہے اور غم کا بار سہتے سہتے شاید اپنی جیوتی کے ساتھ عقل بھی کھو بیٹھا ہے ورنہ ایسی باتیں کیوں کرتا!

"جیوتی دیوی!"

ذرا دیر بعد دیپک پھر بولا۔

"تم نے میری خدمت کی۔ میرے دکھ کو ایک حد تک تم نے ختم کر دیا' مجھے جینے کی مت بخشی ہے' میرے اندر زندگی کا بوجھ اٹھانے کی طاقت پیدا کی ہے۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں تمہیں دیکھ نہیں سکتا' لیکن ایک دن' اس ایک دن جب میں اچھا ہو جاؤں گا' یکھنے لگوں گا' کمائی کرنے کے لائق ہو جاؤں گا تو تمہاری اس بھلائی کے عوض تمہیں یقیناً یک تحفہ دوں گا جو تم کو ساری دنیا سے انوکھا اور پیارا لگے گا۔ ابھی تو میرے پاس تمہارے لیے صرف دعائیں ہیں۔ ان دعاؤں کو میرا نذرانہ ہی سمجھنا! کچھ اور نہیں بچا اس اپاہج کے س!"

جیوتی خاموش رہی' آنکھوں کے آنسو پلکوں کے بند توڑ کر اس کے حسین خساروں پر بہنے لگے۔ اس نے سوچا' کتنا بے بس ہے' یہ روگی!

"بھگوان کرے تمہاری مانگ جلد ہی بھرے۔"

دیپک نے اپنی بات جاری رکھی۔

"تمہیں خوبصورت سا ایک راج کمار بیاہنے آئے اور اپنے اڑن کھٹولے پر وہ تمہیں ساتویں آسمان کی سیر کراتا پھرے۔ تمہیں وہ اتنا پیار کرے' اتنا کہ جتنا میں کسی سے پیار کرتا ہوں۔ تم اس کے ساتھ خوش رہو' دنیا کی ساری مسرتیں پھول بن کر تمہارے قدموں تلے بچھی رہیں۔ تمہارے سکھ کی تمنا کرتے کرتے میرا دل نہیں بھرتا۔ ایسا لگتا ہے جیوتی دیوی کہ..... کہ جیسے تمہارے سکھ کی دوڑ میرے سکون کی گرہ سے بندھی ہوئی ہے' شاید تمہاری خوشیاں ہی میری تسکین کا بہانہ بن جائیں..... شاید اسی طرح میرے دل کو قرار آجائے!؟"

جانے کس طوفان کے بہاؤ میں دیپک اتنی ساری باتیں کہہ گیا۔ یوں جیسے وہ اپنے آپ ہی کو سمجھا رہا ہو' خود کو تسلی دے رہا ہو۔ معاً" اسے محسوس ہوا کہ اس کے آس پاس گہرا اندھیرا چھا گیا ہے' ہر طرف خاموشی ہے' خالی پن ہے' جیوتی وہاں نہیں تھی۔

"جیوتی دیوی!"

اس کی غیر موجودگی کا احساس کرکے اس نے جلدی سے آواز دی۔ جواب نہیں ملا تو اس نے پھر جیوتی کو پکارا۔ جیوتی جانے کب اٹھ کر چلی گئی تھی!

برآمدے میں ایک ستون کے سہارے کھڑی وہ دھیرے دھیرے سسک رہی تھی' گھنی پلکوں کی اوٹ سے آنسوؤں کے قطرے فرش پر گر کر بجلی کی روشنی میں موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ رومال کو وہ اپنے ہونٹوں کے درمیان رکھے گویا جبراً" کسی درد کو برداشت کرنے کی سعی لاحاصل میں مصروف تھی۔ وہ سوچ رہی تھیں بھلا دیپک کو جیوتی کے دل کی حقیقت کا اندازہ کیسے ہو سکتا ہے!؟ اس کا کام تو جلنا ہے۔ دوسروں کو روشنی بخش کر وہ خود اندھیرے میں رہنا جانتا ہے۔ جیوتی سے اسے اتنی ہی دلچسپی ہوتی ہے جتنی اپنے سائے سے۔ پھر بغیر کسی کا درد محسوس کیے جب جلتے جلتے وہ تھک جاتا تو بہت خاموشی سے بجھ جاتا ہے۔ روشنی بھی گم ہو جاتی ہے اور سایہ بھی۔ وہ کیا جانے کہ جیوتی سسکتی ہے' تڑپتی ہے اور ہمیشہ جلتی رہتی ہے۔ جیوتی کی امید میں ایک اعتماد تھا۔ جس دیپک سے نکلی وہ ایک جیوتی ہے' وہ اسے ایک دن تو یقیناً ہی ملے گا' کہیں نہ کہیں کبھی نہ کبھی! اس نے

شروع ہی میں اسے دیکھ کر ایک بار بھی پہچان لیا ہوتا تو شاید آج بھٹکنا نہ پڑتا۔

ہوا کے بہاؤ پر دیپک کو جیوتی کی ہلکی ہلکی سسکیاں سنائی دیں تو وہ فوراً اپنے بیڈ سے نیچے اتر آیا۔ سسکیوں کی آواز کے تار کو تھامے تھامے وہ آگے بڑھا اور جیوتی کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا' بالکل قریب انجانے میں جب اس کا ہاتھ جیوتی کے ہاتھ سے ٹکرایا تو اس نے فوراً اسے تھام لیا' بغیر کسی پس و پیش کے بغیر کسی حق کے' بلا اجازت! جیوتی کی رگوں میں بجلی سی دوڑ گئی۔ ہاتھ چھڑانے کی کوشش کے باوجود بھی وہ ایسا نہ کر سکی۔ جانے کیوں اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے اندر دہکتی ہوئی آگ پر اچانک ہی بادلوں کی گھنگور اور ٹھنڈی پھوار برسنے لگی ہو۔ اس نے ایک ایسا سکون محسوس کیا جو پہلے کبھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ یہ عجیب سا روحانی سکون تھا جس سے وہ پہلے نا آشنا تھی۔

دیپک نے خود ہی ہاتھ بڑھا کر اس کی آنکھوں کے آنسو پونچھ دیئے۔

"مجھے افسوس ہے کہ میری باتوں سے تمہیں تکلیف پہنچی۔"

دیپک کی آواز میں پچھتاوا تھا۔

دیپک کو غیر سمجھ کر بھی جیوتی وہیں کھڑی رہی۔ اس کی باتوں میں ایسی ہی کشش تھی جس سے متاثر ہوئے بغیر وہ رہ نہ سکی۔ اس کے سانسوں میں کسی بھنور کی سی کیفیت تھی جو ہر شے کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ سو وہ کھنچتی چلی گئی۔ اس کی انگلیوں کے لمس کو اپنی آنکھوں کے پپوٹوں پر محسوس کرکے جیوتی کا دل چاہا' وہ اپنا چہرہ اس کے سینے پر رکھ دے۔ دیپک کے لمس' اس کے قرب سے جیوتی کا درد دل جیسے تھم سا گیا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ خوب روئے۔ اتنا روئے کہ غم کے بادل ہمیشہ کے لیے چھٹ جائیں' لیکن وہ ایک دم چونک اٹھی۔ اسے اپنے یار سے بے وفائی کا خیال آیا۔ اس نے سوچا' دیپک ایک غیر مرد ہے' اسے اپنے دل میں جگہ دینا مناسب نہیں۔ وہ تو کسی اور کی امانت ہے۔ جس کا نام تک نہیں جانتی' اسے پہچانتی تک نہیں' اس کی آواز تک نہیں سن سکی۔ خود پر قابو پا کر اس نے اپنا ہاتھ چھڑایا اور علیحدہ ہو گئی۔

"میں تو تمہاری بھلائی کے لیے کہہ رہا تھا"۔

دیپک نے شرمندہ ہو کر کہا۔

"شاید تم نہیں جانتیں کہ مجھ سے زیادہ غم زدہ انسان اس دنیا میں کوئی اور نہیں ہو

گا۔ یہی وجہ ہے کہ جب میں دوسروں کے رنج والم محسوس کرتا ہوں تو تڑپ اٹھتا ہوں۔ میری دنیا لٹ چکی ہے دیوی! میں تو برباد ہو چکا۔ اس دنیا میں میرا کوئی بھی نہیں رہا۔ یہ بھی اچھا ہی ہوا' کم سے کم اتنا تو اطمینان ہے کہ میرے بعد کوئی رونے والا نہیں۔ میرے بعد مجھے یاد رکھنے کی کوئی بھی ضرورت محسوس نہیں کرے گا۔ تمہارے بارے میں البتہ میں جانتا ہوں کہ تم جوان اور حسین ہو۔ تمہاری آواز میں اتنی مٹھاس ہے کہ کوئی بھی اسے ہمیشہ سننے کے لیے ترس سکتا ہے۔

میری بات مانو تو کسی اچھے بھلے آدمی سے شادی کر لو۔ آخر کب تک یوں تنہا رہو گی۔

"عورت کا جسم ایک پہاڑی کے مانند ہے اور اس کی جوانی پہاڑی پر جمی ہوئی برف ہے جو سورج کی گرمی پاتے ہی پگھل کر ڈھلنے لگتی ہے۔ عمر ڈھل گئی تو ایک ایک پل دشوار ہو جائے گا۔ یہ سماج بھی انگلی اٹھانے سے نہیں چوکتا۔ میری بات اور ہے۔ میں ایک ایسا دیپک ہوں جس میں تیلی ہے نہ بتی۔ اندھیرا ہی میری دنیا ہے اور تنہائی میری ہم سفر بھگوان نے ایک پتلا بنا کر مجھ میں زیادہ سے زیادہ دکھ درد بھر دیا ہے۔ میری جان مٹ چکی ہے' روح نیم جاں ہو چکی ہے۔ اندھیرے میں یہ روح طوفان کی طرح ایک سمت بھاگنے لگتی ہے۔ جس دن یہ طوفان تھم گیا میری روح بہت دور نکل جائے گی۔ پھر میں دنیا کی طرف پلٹ کر بھی نہیں دیکھوں گا۔ میرے لئے یہاں کچھ بھی نہیں ہے اسی لئے تو اپنی موت کو تلاش کر رہا ہوں۔"

دیپک چند ساعت کے لیے خاموش ہو گیا۔ بر آمدے میں صرف دو سائے تھے۔ دو روحیں ایک دوسرے کا دکھ بانٹ لینا چاہتی تھیں۔

معاً ہلکی ہلکی بارش ہونے لگی' لیکن بوچھار بر آمدے کی مخالف سمت تھی۔ وہ وہیں کھڑے رہے۔ بارش کی رم جھم میں سسکیاں ڈوب رہی تھیں۔

"تمہاری سسکیاں اس بات کی شاہد ہیں کہ تم کسی سے محبت کرتی ہو"۔

دیپک بولا۔ اسے یقین تھا کہ جیوتی کسی بات کا برا نہیں مانے گی۔

"تمہاری خاموشی اس بات کا ثبوت ہے کہ تم ضرور اپنے دل میں کوئی راز چھپائے ہو۔ تمہارے کھوئے پن میں غموں کا انبار ہے۔ تمہارے آنسو میں دیکھ نہیں سکتا' لیکن

ان کی گرمی سے میں اندازہ لگا سکتا ہوں کہ تم انہیں کسی کے سینے پر بہا دینا چاہتی ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم بہت غم زدہ ہو۔ عورت اسی وقت رنجیدہ ہوتی ہے جب کوئی بے درد اس کا دل توڑ کر چلا جاتا ہے۔ شاید تمہارا پھول سا دل بھی اسی حادثے کا شکار ہوا ہے۔ میں اسی لیے تو کہتا ہوں کہ تم گزشتہ باتوں کو فراموش کر کے اب ایک نیا راستہ چن لو۔ پھر تم دیکھو گی کہ زندگی کے یہ پر آشوب دن کتنی آسانی سے مسرتوں میں بدل جائیں گے! کانٹوں بھری راہیں' پھولوں سے بھر جائیں گی۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ تم اسی کو حاصل کر لو جسے چاہتی ہو۔ اگر ہمیشہ خوش رہنا چاہتی ہو تو اسے اپناؤ جو تمہیں چاہتا ہو تاکہ وہ تمہارے ناز اٹھائے' تمہیں اپنی پلکوں کے سائے میں بٹھا کر رکھے' تمہارے آگے پیچھے بچھ بچھ جائے' تمہاری پوجا کرے۔ اسے دن رات اپنے قریب پا کر تم بھی اسے چاہنے لگو گی۔ ماضی کی یادوں سے تمہیں نفرت ہو جائے گی۔ پھر تم اپنی محدود دنیا سے باہر جھانکنا پسند نہیں کرو گی۔ زندگی ہنس کر گزرانے کے لیے ہے' گھٹ گھٹ کر مرجانا زندگی نہیں۔ اس دیپک کو توڑ کر پھینک دو جس میں تمہاری محبت کی جیوتی قائم نہیں رہ سکی۔ جو چلا گیا' وہ اب کیا آئے گا! بھول جاؤ کہ تم نے کسی سے پیار کیا تھا۔ اپنے آپ کو فریب دینے سے کوئی فائدہ نہیں۔"

"نہیں نہیں!"

جیوتی اچانک تیز آواز میں بول اٹھی' لیکن ان کی آواز بجلی کی کڑک میں گم ہو گئی۔ وہ تڑپ کر بولی۔

"میں ان کی یادوں کے بغیر ایک لمحے بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ وہ میری روح ہیں۔ ان کے سوا کسی اور کا تصور بھی کرنا میرے لیے گناہ ہے۔ مجھے جھوٹی شان' جھوٹی خوشی نہیں چاہیے۔ میں اس دنیا کی تمام خوشیوں کو ٹھکرا دوں گی' اس میں آگ لگا دوں گی مجھے صرف اپنا محبوب چاہیے! کاش کوئی مجھے صرف ایک بار ہی ملوا دے۔ میں اپنے محبوب کو اچھی طرح دیکھ تو لوں۔ اپنے محبوب کے سینے پر سر رکھ کر میرا دم خود ہی نکل جائے گا۔ مجھے اپنی جنت مل جائے گی"۔

جیوتی کی آواز بھرا گئی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ بہت دیر تک وہ روتی رہی۔ جب اس کا دم گھٹنے لگا تو لپک کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اپنے بیڈ پر بے سدھ ہو کر

گرنے کے بعد سسکیاں بھرنے لگی۔

دیپک اپنی جگہ کھڑا رہا۔ وہ بار بار صرف ایک ہی بات سوچتا رہا' کیا جیوتی کے دل کے تاروں کو چھیڑ کر اس نے کوئی قصور کیا ہے؟ محبت کی ایسی ہی تیز آگ میں تو وہ خود بھی جل رہا تھا' لیکن جیوتی اور اس کے دکھ میں فرق ہے۔ وہ عورت ہے' کب تک اپنی عزت کی حفاظت کرے گی! اپنے دل کو اس نے بڑی مشکل سے سمجھایا کہ میں نے جیوتی سے جو کچھ کہا ہے' اس کی بہتری اور بھلائی کے لیے ہی کہا ہے اور یہ کوئی غلط بات نہیں۔

تمام دن جیوتی ہسپتال نہیں آئی۔ دیپک اپنی باتوں کا رد عمل جاننے کو بے قرار تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جیوتی ٹھنڈے دل سے سوچنے کے بعد اس کا مشورہ یقیناً قبول کرلے گی۔

جیوتی بھی سارے دن یہی سب کچھ سوچتی رہی۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ آخری سانس تک آس نہیں چھوڑے گی۔ رات کو تقریباً آٹھ بجے بند کمرے میں پڑے پڑے جب اس کا دم گھٹنے لگا تو وہ غسل کے بعد باہر لان میں آگئی۔ ڈاکٹر پرکاش سمجھا کہ وہ سو رہی ہے اس لیے اسے دن کے وقت نہیں جگایا۔

آج بھی بدلی سی چھائی ہوئی تھی' پھر بھی چاند کہیں کہیں سے جھانک لیتا تھا۔ لان کی کیاریوں پر جھک کر اس نے ایک سفید گلاب توڑا ہی تھا کہ ایک نرس کی آواز سن کر چونک اٹھی۔ نرس کہہ رہی تھی۔

"آپ کو ڈاکٹر پرکاش یاد کررہے ہیں۔ وہ بہت دیر سے آپ کے منتظر ہیں۔"

اس کی گرفت ڈھیلی پڑگئی۔ سفید گلاب چھوٹ کر کانٹوں کے نیچے جا گرا۔ اس نے پھول کو اٹھالینا چاہا لیکن کانٹا چبھتے ہی وہ اپنا ارادہ بدل کر ڈاکٹر پرکاش کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ ہانپتی کانپتی وہ کمرے میں پہنچی۔ دبے قدموں وہ تھوڑا آگے بڑھ کر ڈاکٹر پرکاش سے کچھ دور ہی جا کھڑی ہوئی۔ سینے کے زیرو بم اور گہرے گہرے سانسوں سے اس کی ٹوٹتی ہمت ظاہر ہو رہی تھی۔ اپنی پلکیں اس نے جھکالیں۔ ڈاکٹر پرکاش ایک صوفے پر بہت آرام سے پیر پر پیر رکھے بیٹھا آنکھیں بند کئے جانے کن خیالوں میں گم تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں جلتی ہوئی سگریٹ تھی' چہرے سے پریشانی واضح تھی۔

جیوتی کی آہٹ پاتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر وہ چل کر جیوتی کے بالکل قریب آگیا

اور غور سے جیوتی کے چہرے کو دیکھا' اس طرح کہ جیسے پہلی بار دیکھ رہا ہو۔ جیوتی کانپ رہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہاں سے بھاگ جائے لیکن زمین نے گویا اس کے پیر پکڑ رکھے تھے۔ ڈاکٹر پرکاش کی نظریں جیسے اس کے وجود کے آر پار دیکھ رہی تھیں۔ وہ ان نظروں کی چبھن شدت سے محسوس کررہی تھی۔

کچھ دیر اسے ڈاکٹر پرکاش دیکھتا ہی رہا۔ جیوتی آج اسے پہلے کی نسبت اور بھی حسین معلوم ہو رہی تھی۔ پھر وہ مسکرا کر کسی پس و پیش کئے بغیر جیوتی سے مخاطب ہوا۔

"جیوتی! میں تمہیں زندگی بھر کے لیے اپنانا چاہتا ہوں' تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

جیوتی کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی' آرزوؤں پر بجلی گرگئی اور دل سینے میں ڈوبتا محسوس ہوا۔ اس نے سہمی سہمی نظروں سے ڈاکٹر پرکاش کو دیکھا۔

"مجھے امید ہے میری تجویز تمہیں پسند آئے گی۔"

ڈاکٹر پرکاش نے پھر کہا۔ اس کی آواز میں خود اعتمادی اور کسی قدر غرور کی جھلک تھی۔

جیوتی زنداں کے کسی قیدی کی طرح پھڑپھڑا کر رہ گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور حلق خشک ہوگیا۔ دل کی جس آگ پر دن بھر کی کوشش کے بعد قابو پاکر وہ ابھی باہر آئی تھی کہ ایک تیز جھونکے نے اس آگ کو پھر سے بھڑکا دیا۔ اس کا دل چاہا ڈاکٹر پرکاش کی تجویز کو مسترد کردے' لیکن کوشش کے باوجود کچھ نہ کہہ سکی۔ اس کی آواز گھٹ کر رہ گئی' صرف ایک آہ نکلی اور ماحول پر چھا گئی۔ اس سے پہلے کہ آنسو رخساروں پر بہنے لگیں' وہ بہت تیزی کے ساتھ کمرے سے نکل گئی' ڈاکٹر پرکاش کو کوئی جواب دیئے بغیر ہی! ڈاکٹر پرکاش اسے دیکھتا رہ گیا۔

وہ اپنے کمرے میں آئی' دروازہ اندر سے بند کیا' بستر پر گری اور پھر اس کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ روتے روتے اس کی آنکھیں سرخ ہوگئیں۔ آج اسے کوئی تسلی دینے والا نہیں تھا' کسی نے بھی اس کے آنسو نہیں پونچھے۔ سسکتے سسکتے نیند نے اس کی آنکھوں میں جال بننے شروع کردیئے۔ ہواؤں نے اپنا آنچل بڑھا کر اس کے آنسو جذب کرلئے۔

صبح کے گیارہ بج رہے تھے کہ جب وہ جاگی۔ اس کے سر میں شدید درد تھا۔ اٹھ کر اس نے منہ دھویا اور کافی کے لیے کیتلی اسٹوو پر چڑھادی۔ آئینے کے سامنے وہ اپنی زلفیں سنوارنے بیٹھی تو اپنے عکس کو پہچان ہی نہ سکی۔ غم و اندوہ کی تصویر بن کر اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ اس کا عکس جیسے اسی سے مخاطب تھا۔ جیوتی! تیری نادانی سے ایک دن ساری قدر و قیمت ختم ہو جائے گی۔ تو کیوں ایک سائے کے پیچھے بھاگ رہی ہے؟ تو نے تو اسے دیکھا بھی نہیں! پگلی! وہ تو ایک خواب تھا جو تجھے ایک نئی زندگی دے کر چلا گیا اور موت کے دھندلکوں میں کہیں گم ہو گیا۔ پرکاش کو اپنا لے۔ تیرا دوسرا روپ ہی یہ ہے۔ تیری جیوتی اس طرح کبھی مدھم نہیں پڑے گی۔ تو نے سوچا بھی ہے کہ پرکاش کی پیشکش کو ٹھکرا کر تجھے کن کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا! تو کہاں کہاں بھٹکے گی اور کب تک؟ یہ دنیا تیری آرزوؤں کو کچل کر رکھ دے گی' تیری حسرتوں کو اپنی طمع کا شکار بنا لے گی۔ پھر تو مرتے وقت تک اپنے دیوتا کو نہیں دیکھ سکے گی۔ اس ہار کی حفاظت کرنا بھی تیرے امکان میں نہیں رہے گا۔ جو تیری آس کا تنہا سہارا ہے۔ پگلی! بچپنا مت کر۔ تیرے دیوتا کی اب کوئی قدر و قیمت نہیں رہی۔ دیپک ٹھیک ہی کہتا ہے۔ اس کا کہا مان لے اور اپنی زندگی کو ایک نئے موڑ پر ڈال دے۔ ڈاکٹر پرکاش سے بہتر شریک زندگی پھر تجھے کبھی نہیں ملے گا۔ جا' اس کے پاس چلی جا! اس کا ہاتھ تھام لے۔ دیکھنا کہ پھر غم کے سارے بادل چھٹ جائیں گے۔ جیوتی اور پرکاش ایک دوسرے میں مدغم ہو گئے تو اندھیرا تیرے قریب نہیں آسکے گا۔

وہ تمام دن جیوتی نے سوچتے ہوئے گزار دیا۔ اس نے ہسپتال کا رخ بھی نہیں کیا۔ اپنی زندگی کے طوفان کی تند و تیز لہروں پر ایک بے سہارا مانجھی کی طرح قابو پاتے پاتے وہ تھک چکی تھی۔ دل میں ارادہ یہی تھا کہ آخری سانس تک وہ اس طوفان کا مقابلہ کرے گی لیکن قوت جواب دیتی جا رہی تھی۔ منزل اتنی دور تھی کہ دکھائی نہیں دیتی تھی۔ آخر وہ منزل کی آس کھو بیٹھی۔ چاروں طرف موت جیسا اندھیرا دکھائی دینے لگا تو اس نے اپنی محبت کی یادوں کے پتوار منجھدار میں پھینک دیئے۔ خود کو طوفانی لہروں کے سپرد کر دیا مجھے اپنی قربان گاہ کی طرف بڑھنا ہی پڑے گا۔ آخر اس نے ایک فیصلہ کر ہی لیا۔

○............○............○

آج بھی ڈاکٹر پرکاش اپنے کمرے میں بیٹھا خیالوں کے گرداب سے نبرد آزما تھا۔ تی اس کے کمرے میں بلا اجازت ہی داخل ہو کر ایک طرف جا کھڑی ہوئی۔ آہٹ پا کر ڑ پرکاش نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور اٹھتے ہوئے بولا۔

"آؤ جیوتی! میں تمہارے ہی متعلق سوچ رہا تھا۔"

جیوتی کسی بے زبان جانور کی طرح اس کے سامنے سر جھکائے کھڑی تھی' اپنی قربانی ینے کے لیے!

"کہو جیوتی' کیا بات ہے؟"

ڈاکٹر پرکاش نے اس کی جھکی ہوئی پلکوں کو دیکھا۔

"میں..... میں....."

جیوتی کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ "مرنے سے پہلے میں..... میں آپ سے معافی لنے آئی ہوں۔"

"مرنے سے پہلے....؟ معافی....؟ کس بات کی معافی؟"

ڈاکٹر پرکاش حیران سا رہ گیا۔

کل رات میں..... میں جو کہنا چاہتی تھی....."

جیوتی کی آواز ساتھ نہ دے سکی۔

ڈاکٹر پرکاش اس کے قریب آگیا اور اس کی نیلی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا جیوتی!" جیوتی کی سسکیاں پرکاش کے سینے میں ڈوب گئیں۔

آن کی آن میں یہ خبر سارے ہسپتال میں پھیل گئی کہ ڈاکٹر پرکاش' جیوتی سے شادی کر رہا ہے۔ سبھی اس جوڑے سے مطمئن تھے۔ ان کے نزدیک ڈاکٹر پرکاش جیسے وجیہہ نوجوان کے لیے جیوتی جیسی حسین دوشیزہ ہی شریک حیات ہونی چاہیے تھی۔ نوکروں' مریضوں سب ہی نے انہیں مبارکباد دی' خلوص دل سے انہیں دعائیں دیں۔

یہ خبر دیپک کو بھی ملی' مگر جانے کیوں اسے ذرا بھی خوشی نہیں ہوئی۔ جیوتی کو زندگی کی راہ بدلنے کا مشورہ دے کر اسے وہ باطنی تسکین نہ ہو سکی جس کی اسے امید تھی۔ اول اول تو اس خبر پر اسے یقین ہی نہیں آیا تھا۔ بے وجہ ہی اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں۔ دل میں کوئی کانٹا سا تو اب بھی چبھ رہا تھا لیکن کسی پر اپنے درد کا اظہار کرنا اس کے نزدیک اچھی بات نہیں تھی۔ وہ خود بھی اس کا سبب سمجھنے سے قاصر تھا۔ اس خبر کو سن کر دل میں ایک انجان سی بے کلی سما گئی تھی۔

کچھ دنوں میں جیوتی اس کے تصور کی ڈور سے بندھی کھنچی چلی آئی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ایک آشنا سی خوشبو سے وہ جیوتی کو پہچان گیا تھا۔

"جیوتی دیوی!"

وہ بولا تو جیوتی اس کے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ وہ سمجھ گیا' جیوتی اداس ہے' شاید اس کی مرضی کے خلاف ہی کوئی بات ہوئی تھی۔ پھر بھی اس نے کہا۔

"مبارک ہو جیوتی دیوی!"

جواب میں جیوتی سسک اٹھی ان سسکیوں نے اس کے تڑپتے ہوئے دل کی آگ کو بھڑکا دیا۔ جی چاہا کہ وہ جیوتی کو سمجھا بجھا کر رشتہ توڑنے پر آمادہ کر لے اس سے کہے کہ اپنی امید پر قائم رہو' ہمت نہ ہارو! پھر وہ سوچنے لگا کہ یہ

ٹھیک نہیں ہو گا۔ میں نے ہی تو جیوتی کو یہ مشورہ دیا تھا۔ جیوتی خود بھی تو باشعور ہے' سوچے سمجھے بغیر تو اس نے یہ قدم نہیں اٹھایا ہو گا۔ ڈاکٹر پرکاش میں کمی بھی کیا ہے؟ کیا اس کے احسانوں کا بدلہ وہ اسی طرح دینا چاہتا ہے؟ اپنے دل کی یہ آواز سن کر اسے شرمندگی سی ہوئی۔ اپنے جھوٹے سکون کے لیے وہ کتنا خود غرض ہوا جا رہا تھا! جیوتی سے آخر اس کا رشتہ بھی کیا ہے؟ کیا اس لئے کہ اس کی محبوبہ کا نام بھی جیوتی تھا! آخر اس نام کے لیے وہ کس کس میں اپنے سکون دل کو ڈھونڈتا پھرے گا؟ کس کس جیوتی کا یونہی گھر اجاڑتا رہے گا؟"

جیوتی کے رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے' سسکیاں اب بھی جاری تھیں۔

"تم رو رہی ہو جیوتی دیوی!"

دیپک نے کہا۔

"اب تو تمہیں مسکراتے رہنا چاہئے۔ تم نے نئی راہ اپنا کر بہت اچھا کیا۔ ڈاکٹر پرکاش سے اچھا انسان میں نے ساری دنیا میں نہیں دیکھا' وہ تو دیوتا ہے۔ تم خوش نصیب ہو کہ اس نے تمہاری رفاقت پسند کی۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ بھگوان کرے تم سدا خوش رہو اور میری عمر بھی تمہیں لگ جائے۔"

اس کی آواز بھر آگئی اور آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ پھر بھی وہ مسکراتا رہا۔ جیوتی کا چہرہ اس نے اپنی ایک انگلی سے اوپر اٹھایا اور بولا۔

"اب تمہاری آنکھوں میں یہ آنسو اچھے نہیں لگتے میں چاہتا ہوں کہ تم مسکراؤ۔ مسکراؤ نا جیوتی!"

اس نے ضد کی۔

جیوتی مسکرا دی۔ وہ جانتی تھی کہ نابینا ہونے کے باوجود دیپک بہت کچھ محسوس کر سکتا ہے۔

○..........○..........○

"تم اس وقت بارش کے بعد نکلی ہوئی دھوپ کی طرح لگ رہی ہو"
دیپک ذرا دیر بعد پھر بولا تو جیوتی چونک اٹھی کہ دیپک کو اس کی خوبصورتی کا کتنا صحیح اندازہ ہے!

آج کی شب آسمان صاف تھا۔ شفق کے وسط میں تاروں کی مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ کہیں دور رات کی خاموشی میں شہنائیوں کا ترنم بہت نرم خرامی سے دیپک کی سماعت میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اتر رہا تھا۔ دیپک بے چین ہو کر بھی خاموش تھا۔ جیوتی اور ڈاکٹر پرکاش کی آج شادی تھی۔ ہسپتال کے سبھی ملازم وہاں گئے ہوئے تھے۔ صرف ایک نرس اور دو ایک کمپاؤنڈر ہی ہسپتال میں وقت ضرورت کے لیے رک گئے تھے۔ سارا ہسپتال جیسے سنسان پڑا تھا۔ دیپک اس سناٹے کو اپنی سماعت بنائے بہت دھیان سے ہلکی ہلکی شہنائیوں کی آواز سن رہا تھا جو اس کے دل میں آگ سی لگا رہی تھی۔ دیپک خود بھی نہ سمجھ سکا کہ اس کا سبب کیا ہے!

شادی کے اس موقع پر چھایا' لندن سے نہیں آ سکی۔ وجہ یہ تھی کہ اس کے امتحان قریب تھے۔ دوسری وجہ شاید یہ ہو کہ وہ دیپک کے قریب آنا نہیں چاہتی تھی۔ ڈاکٹر پرکاش اپنی بہن کے امتحان ختم ہونے کا انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ اسے خود علم نہیں تھا کہ جیوتی کا فیصلہ کب بدل جائے! جیوتی کی محبت تو اب اس کے خون کی ایک ایک بوند میں سرایت کر گئی تھی۔ اس کے علاوہ چھایا کو اس کی شادی میں شرکت کے بعد فوراً لندن

واپسی میں بڑی دشواری ہوتی۔ وجہ کچھ بھی ہو کسی کو چھایا کی غیر حاضری زیادہ محسوس نہیں ہوئی۔

دیپک رات بھر ٹہلتا رہا۔ پھر جیسے کئی جگ بیتنے کے بعد صبح ہوئی۔ دیپک کو صبح کی ڈیوٹی پر آنے والی نرس کا انتظار تھا۔

"آپ آرام کیوں نہیں کرتے؟ نرس نے آتے ہی اسے ٹوکا۔

"آپ کو زیادہ دیر تک گھومنے پھرنے کو منع کیا گیا ہے نا!"

نرس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے دیپک نے پوچھا۔

"نرس! ڈاکٹر صاحب کب آئیں گے؟"

"ارے واہ!"

نرس ہنس پڑی۔

"ابھی کل ہی تو ان کی شادی ہوئی ہے اور آج وہ ہسپتال چلے آئیں؟ آپ کو نہیں معلوم کہ انہوں نے کچھ عرصے کے لیے دوسرے ڈاکٹر کا انتظام......."

"تم شادی میں گئی تھیں؟" دیپک بات کاٹ کر بول اٹھا۔

"ہاں!"

نرس نے جواب دیا۔

"تم اچھے ہوتے تو کیا نہ جاتے؟ کارڈ تو تمہیں بھی ملا ہوگا!"

"ملا تھا"۔

دیپک نے ٹھنڈا سانس بھرا۔ "اچھا سنو! ایک بات بتاؤ گی..... کیا جیوتی واقعی بہت خوبصورت ہے؟"

نرس نے اس سوال پر دیپک کو حیرت اور شک کی نظروں سے دیکھا' پھر دیپک کے بھدے چہرے کو دیکھ کر وہ خود ہی مطمئن ہو گئی اور کہنے لگی۔

"ہاں دیپک بابو' وہ انتہائی حسین ہیں۔ بھلا ایسی خوبصورت بیوی کو چھوڑ کر ڈاکٹر صاحب اتنی جلدی ہسپتال کیسے چلے آئیں! جیوتی دیوی کو حاصل کرنے کے لیے تو وہ کتنے ہی دن کھوئے کھوئے سے رہتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب سے بہتر شوہر جیوتی جی کو اور کوئی نہیں ملتا۔ دونوں ہی کتنے خوش نصیب ہیں جیسے ایک دوسرے کے لیے ہی بنے ہوں۔

جیوتی اور پرکاش گویا ایک روح دو جسم!"

دیپک چپ ہو گیا جانے کیوں نرس کی باتیں اسے ذرا بھی پسند نہیں آئیں۔ نرس چلی گئی اور دیپک وہیں کھڑا سوچتا رہ گیا۔ میری جیوتی زندہ ہوتی تو شاید اس کے لیے بھی ایسا ہی کہتے' جیوتی اور دیپک ایک روح اور دو جسم ہیں۔

تیسرے دن ڈاکٹر پرکاش کچھ وقت نکال کر ہسپتال آیا۔ اس کے ساتھ جیوتی بھی تھی' سرخ ساڑھی میں ملبوس نئی نویلی دلہن بنی! ہاتھوں میں مہندی' آنکھوں میں کاجل' مانگ میں سیندور' لیکن کوئی اس کی سنجیدگی کو نہیں سمجھ سکا۔ دل کے آئینے میں جھانکنے کے بعد اس نے خود کو ایسا محسوس کیا تھا جیسے وہ کوئی زندہ لاش ہو۔

ڈاکٹر پرکاش ہسپتال میں نئے ڈاکٹر سے ملنے کے بعد پہلے دیپک کے پاس پہنچا۔ دیپک بہت خاموشی سے اپنے تصور میں کسی ارتھی کو سجے دیکھ رہا تھا اور ارتھی جیوتی کی تھی۔

جیوتی کو ساتھ لئے ڈاکٹر پرکاش اس کے قریب آ کھڑا ہوا اور مسکرا کر اسے مخاطب کیا

"ہیلو دیپک"

"کون؟"

دیپک ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

"ڈاکٹر صاحب!"

وہ مسکرایا مگر اس مسکراہٹ میں ایک درد چھپا تھا جسے ڈاکٹر پرکاش تو نہیں' جیوتی نے محسوس کر لیا۔

"ہاں دیپک!"

ڈاکٹر پرکاش کی آواز بادلوں میں اڑ رہی تھی۔

"لیکن اس مرتبہ میں اکیلا نہیں ہوں۔"

"آپ..... آپ دونوں کو یہ نیک ساعت مبارک ہو۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ اس کے حلق میں کہیں کوئی کانٹا سا اٹک گیا تھا۔

دیپک سے کوئی رشتہ نہ ہونے کے باوجود جیوتی کو ایسا محسوس ہوا کہ اس کے یہاں آنے سے دیپک کا درد بڑھ گیا ہے۔ پھر بھی وہ مردہ سی آواز میں بولی۔

"شکریہ دیپک!"

"جیوتی دیوی!"

کچھ دیر بعد دیپک نے کہا۔

"اس وقت تو میرے پاس آپ کو نذر کرنے کے لیے کچھ نہیں لیکن......"

"دیپک!"

ڈاکٹر پرکاش نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم یہ کیا بیکار باتیں لے کر بیٹھ گئے؟ کیا ہمیں تمہاری مجبوری کا احساس نہیں؟ ہم ہنی مون پر جانے سے پہلے ملنے آئے تھے اور تم ایسی باتیں کرنے لگے! بیٹھ جاؤ' کھڑے کیوں ہو گئے!"

ہنی مون! دیپک کے دل کو دھکا سا لگا۔ آخر ایسی کیا بات تھی کہ اس کی دوری سے دیپک کو دکھ ہونے لگا تھا!

"کاش!"

دیپک چند ساعت کے بعد بولا۔

"اس خوبصورت جوڑے کو دیکھنے کے لیے میری جیوتی ہوتی۔"

جیوتی یہ سن کر دکھی سی ہو گئی۔ ڈاکٹر پرکاش نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں دیپک! تمہاری آنکھیں ٹھیک ہو جائیں گی بہت جلد! پہلے تم تندرست تو ہو جاؤ! ہم ہنی مون سے آتے ہی تمہاری آنکھوں کا آپریشن کر دیں گے۔ پھر تم ہم ہی کو کیا' ساری دنیا کو دیکھ سکو گے۔"

"ہنی مون کے بعد ہی کیوں؟"

جیوتی درمیان میں بولی۔

"نیک کام میں دیر کرنا آپ کے شایان شان نہیں۔"

ڈاکٹر پرکاش دل ہی دل میں بہت نادم ہوا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی مریض پر اس نے اپنے ذاتی مفاد کو ترجیح دی تھی۔ اس نے جیوتی کو بہت پیار سے دیکھا۔ وہ ہرگز یہ نہیں چاہتا تھا کہ جیوتی اسے سنگ دل یا مفاد پرست سمجھے۔ وہ تو جیوتی کے دل میں اپنا مقام بنانے کا خواہشمند تھا' جیوتی اسے ایک ڈاکٹر ہونے کے ساتھ انسان بھی محسوس کرے۔ اپنی سوچوں میں کھوئے رہنے کے بجائے وہ ہنسے مسکرائے' اپنے ماضی کو فراموش کر کے وہ

صرف اسی کے خواب دن رات دیکھتی رہے۔ وہ جیوتی کے چہرے پر مسلسل چھائی ر
والی اداسی کو خوشی میں بدل دینا چاہتا تھا۔ جیوتی پتھر کی تراشی ہوئی ایک ایسی مورتی تھ
جس کے دل کی دھڑکنوں نے ایک مرتبہ بھی ڈاکٹر پرکاش کا نام نہیں لیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ دیپک کی آنکھوں کا معائنہ کر لیجئے۔"

جیوتی پھر بولی۔

"اگر آپریشن کامیاب ہو سکتا ہے تو پھر دیر نہیں کرنی چاہئے۔ کون جانے کہ اس
غمزدہ انسان کے اچھا ہونے سے مجھے ..... میرا مطلب ہے، ہمیں وہ خوشی نصیب ہو جا
جس کی تلاش ہے۔"

جیوتی شاید کچھ اور بھی کہتی، لیکن وقت کی نزاکت نے اس کے لبوں پر مہر سی لگا
دی۔ ڈاکٹر پرکاش، جیوتی کی خواہش کو ٹھکرانے کی ہمت نہیں کر سکا۔ اس نے فوراً ہ
دیپک کی آنکھوں کے معائنے کا فیصلہ کر لیا اور جیوتی کے چہرے پر رونق آ گئی۔

○..........○..........○

شام کی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ دو وارڈ بوائے ایک اسٹریچر پر دیپک کو
آپریشن تھیٹر کی طرف لے جا رہے تھے۔ جب برآمدے سے اسٹریچر گزرا تو دیپک نے
ماحول کو محسوس کیا اور بولا۔ شاید شام ڈھل رہی ہے!"

"ہاں۔"

ایک وارڈ بوائے نے جواب دیا۔

"سورج بھی اب غروب ہونے والا ہے۔"

"پھر اندھیرا چھا جائے گا۔"

دیپک نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"تو کیا ہوا! صبح پھر ہو جائے گی۔"

"شاید!"

دیپک کو اپنی زندگی کی صبح ہونے تک شک تھا۔

اسٹریچر آپریشن تھیٹر میں داخل ہوا۔ ڈاکٹر پرکاش نے آنکھوں کی سرجری میں بھی
سند لی تھی۔ وہی یہ اہم آپریشن کرنے والا تھا۔ اس کے علاوہ جیوتی اور دو نرسیں بھی وہاں
دیپک کی منتظر تھیں۔ کچھ ہی دیر میں آپریشن شروع ہو گیا۔ آپریشن کے دوران میں ڈاکٹر
پرکاش کے اشاروں پر جیوتی نے بہت لگن اور محنت سے کام کیا۔ ہر لمحے وہ صدق دل سے

دیپک کے لیے دعا کرتی رہی۔ دعا کے ساتھ دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ آپریشن کے بعد دیپک کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی۔

"یہ پٹی کب کھلے گی؟"

دل کی بے چینی کو چھپا کر جیوتی نے فوراً ہی پوچھا۔

"بیس دن بعد۔"

ایک برتن میں بھرے پانی سے ڈاکٹر پرکاش نے ہاتھ دھوتے ہوئے جواب دیا۔

"بیس دن"

جیوتی نے گہرا سانس لیا۔

"لیکن اتنے دن گزریں گے کیسے؟" جانے کیوں جیوتی خود پر قابو نہیں کر پا رہی تھی!

"بیت ہی جائیں گے"۔

ڈاکٹر پرکاش نے نیپ کن سے ہاتھ پونچھے اور مسکرا دیا۔ اپنی کامیابی پر اسے پورا اعتماد تھا۔

"لیکن اتنا لمبا عرصہ دیپک کی زندگی بھی تو بدل دے گا۔ یہ روز روز کی تڑپ' سانسوں میں گھٹن اور چہرے پر یہ اداسی تو نہیں رہے گی۔"

جیوتی سوچ میں گم ہو گئی۔ دیپک کو اسٹریچر پر لٹا کر وارڈ بوائے آپریشن تھیٹر سے لے گئے۔

"تم جو اس کے چہرے پر گہرے گہرے گڑھے دیکھ رہی ہو' ان کا علاج تو میں بہت دنوں سے کر رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ بیس دن کے اندر یہ بھی نہیں رہیں گے۔ ان پر پپڑیاں جم کر سوکھتے سوکھتے کچھ دن میں خود ہی جھڑ جائیں گی۔ ہاں داغ مٹنے میں ابھی چار چھ مہینے اور لگ سکتے ہیں۔ ان سب مصیبتوں کا شکار یہ ہمارے ہی ہسپتال میں ہوا تھا۔"

"تو کیا دیپک کے سارے داغ' چہرے کے سارے گڑھے...."

جیوتی کو ان باتوں پر اعتبار کرتے ہوئے ایک عجیب سی مسرت کا احساس ہو رہا تھا۔

"ہاں جیوتی! دیپک کے یہ داغ پیدائشی نہیں ہیں۔"

ڈاکٹر پرکاش نے ٹھنڈا سانس لے کر بتایا۔

"یہ تو ہماری بدبختی ہے کہ اس کے ساتھ قسمت نے یہ کھیل ہمارے ہی ہسپتال

میں کھیلا۔ اب ضروری ہے کہ ہمارے ہی یہاں سے یہ اچھا ہو کر جائے۔ بھگوان کی جانے کیا مرضی تھی کہ جس کی وجہ سے دیپک کو ستم کا نشانہ بننا پڑا! یہ تو ابتدا ہی سے ستم اور مصیبت کا مارا ہے' کچھ مزید حال بتاتا بھی تو نہیں۔ معلوم نہیں اس نے اپنے دل میں کیا راز چھپا رکھا ہے۔"

جیوتی یہ سب کچھ حیرت سے سنتی رہ گئی۔

اس رات ڈاکٹر پرکاش اور جیوتی اپنے بنگلے پر پہنچے تو لندن سے آیا ہوا ایک تار ملا۔ چھایا کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اور حالت تشویشناک تھی۔ ڈاکٹر پرکاش کے ہاتھ سے تار چھوٹ کر گر گیا اور آنکھوں میں آنسو آ گئے' ہونٹوں پر چھایا کا نام اٹک کر رہ گیا۔ اس کی امیدوں پر پانی پھرتا نظر آیا۔ اس کی ایک ہی بہن تھی جسے بڑے پیار سے لکھایا پڑھایا تھا۔ بچپن ہی میں ماں باپ کا انتقال ہو جانے کے سبب اسی نے چھایا کو والدین کی محبت دی تھی اور اس قابل کر دیا تھا کہ وہ خود اپنا مستقبل بنا سکتی تھی۔ وہ سر تھام کر بیٹھ گیا۔ جیوتی اس کے قریب آ گئی کہ حوصلہ بڑھا سکے۔

"آپ کل ہی لندن جانے والے کسی پلین سے سیٹ بک کرا لیجیے۔" جیوتی نے اسے تسلی دی۔

"آپ کو میری قسم ضرور جائیے' گھبرائیے نہیں! آپ کی بہن ضرور اچھی ہو جائے گی۔ مجھ پر اعتبار کیجیے۔ آپ نے مجھ بے سہارا کو جینے کا سہارا دیا ہے۔ بھگوان سے میں دعا کروں گی کہ آپ کی بہن کو میری عمر لگ جائے۔ وہ میری زندگی لے لے اور۔"

"جیوتی!"

ڈاکٹر پرکاش رو دیا۔ اس نے جیوتی کو خود سے قریب کر لیا۔ "میری بہن اپنی جگہ پر ہے' تم اپنی جگہ! صرف اس کی سلامتی کی دعا کرنا! بھگوان تمہاری دعا ضرور سنے گا۔ دیپک کا میرے بعد خیال رکھنا! میں کوشش کروں گا کہ جلد سے جلد لوٹ آؤں۔ دیپک سے کوئی ایسی بات مت کرنا کہ اس کے دل کو ٹھیس لگے۔ وہ بہت مصیبت زدہ انسان ہے۔ جانے کیوں کبھی کبھی ایسا محسوس کرتا ہوں جیوتی' جیسے دیپک کا خیال رکھ کر میں تمہارے سکون دل کی راہ ہموار کر رہا ہوں۔ کتنی عجیب سی بات ہے! نہ اس سے میرا کوئی رشتہ ہے نہ تمہارا ہی! تم نے تو اسے بیمار ہونے سے پہلے دیکھا بھی نہیں۔"

"آپ یقین کیجئے کہ میں بہت لگن کے ساتھ دیپک کی تیمارداری کروں گی' اس خیال کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ اس کا اثر لندن میں آپ کی بہن کی صحت یابی پر پڑے۔"

اس کے بعد ڈاکٹر پرکاش نے جیوتی کو بہت کچھ سمجھایا۔ دیپک کی ذہنی تڑپ کو ک کرنے کی یہ دوا ہے' جب وہ بہت روئے تو اسے کون سی دوا دینی ہے' صبح اور شام دیپک کو کیا کیا دوائیں پابندی سے کھلانی ہیں' وہ پینے سے انکار کرے تو اسے کس طرح بہلانا وغیرہ! دوسرے دن لندن جانے والی پہلی پرواز سے ڈاکٹر پرکاش نے جیوتی کو الوداع ک جیوتی دیر تک فضاؤں میں گم ہو جانے والے جہاز کو دیکھتی رہی اور پھر اپنے گھر چلی آئی۔

گھر کی تنہائی اور سونے پن نے اسے بہت متاثر کیا۔ اس نے محسوس کیا کہ ا قلیل عرصے میں ڈاکٹر پرکاش کی بے لوث محبت کے سمندر نے اس کے سینے کے خلا کو کر دیا ہے۔ اس کے ذہن میں وہ کتنی آسانی اور کتنی تیزی سے چھا گیا ہے! چپکے سے ا کے دل میں آ کر روم روم کو اپنا بنا لیا ہے۔ ڈاکٹر پرکاش کی غیر موجودگی کو اس نے شد سے محسوس کیا۔ اس کے سوا وہ کچھ نہیں سوچ سکی۔ بیتی ہوئی یادیں' نئی زندگی کا مقص کسی کی تلاش' سب کچھ جیسے بہت پیچھے رہ گیا۔ عورت کتنی بے بس ہے! ایک بار وہ ج کے دامن سے بندھ جائے عمر بھر کیلئے اسی کی ہو کے رہ جاتی ہے۔ پھر اپنا پیار' ا ارادے' اپنے قول و قسم' کچھ بھی اسے یاد نہیں رہتا۔ شوہر کی خوشی ہی اس کی زندگ مقصد بن جاتا ہے۔

جیوتی نے اسی روز سے دیپک کی تیمارداری شروع کر دی۔ اس نے بہت خلوص ا لگن کے ساتھ دیپک کا خیال رکھا' ہر وقت اس کے پاس موجود رہی۔ اسے حیرت تھی وہ دیپک کی جس قدر خدمت کرتی ہے' دل کا سکون اسی قدر بڑھتا جاتا ہے۔ وہ اس پ حیران تھی کہ جب چند گھنٹوں کے لیے اپنے بنگلے میں آرام کرنے چلی آتی ہے تو ا چین نہیں ملتا۔ دیپک کی دوری آخر اسے کیوں گوارا نہیں؟ کیوں اس سے دور رہ کر کھوئی سی رہتی ہے؟ وہ ایک نرس سے زیادہ دیپک کی خدمت کرتی' ایک ڈاکٹر سے ز اس فکر رکھتی' ایک بیوی سے زیادہ اس کی صحت یابی کے لیے دن رات دعائیں ما اپنی ساری زندگی میں دیپک کے سوا کسی اور کے لیے اس قدر ہمدردی کے جذبات محس نہیں کئے تھے۔

اس کے قریب رہ کر اب جیوتی کی یہ کوشش ہوتی کہ وہ راز جان لے جو دیپک

اپنے دل کی گہرائیوں میں کہیں چھپا رکھا ہے۔ اپنی بے لوث خدمت کے پس پردہ وہ دبی زبان سے کبھی کبھی اس تمنا کا اظہار بھی کر دیتی' لیکن دیپک اس کی خواہش کو ٹال جاتا۔ دیپک کو یہ خوف تھا کہ جس دن اس نے اپنی حقیقت کسی پر ظاہر کر دی' وہ سب کی ہمدردی کھو بیٹھے گا۔ سماج اسے ایک مجرم سمجھ کر قانون کے حوالے کر دے گا۔ اسے سزا ہو جائے گی ایک لاش کو چرانے کے جرم میں! پھر وہ کسی کو بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔ ڈاکٹر پرکاش کو کتنا دکھ ہو گا کہ اس نے ایک مجرم پر بھروسہ کیا۔ جیوتی بھی اسے کتنا بڑا گنہگار سمجھے گی!

جیوتی کو ہر بار ہی اس سے نا امید ہونا پڑا تھا۔ جب ہسپتال کے تمام مریض سو جاتے' ماحول پر خاموشی چھا جاتی تو وہ سارے دکھ درد بھول کر مستقبل کی خوشیوں کے خواب دیکھنے لگتا۔ ایسے میں جیوتی چپکے سے اس کے پاس آ جاتی اور اسی کے بیڈ پر بیٹھ جاتی۔

"اب تم جلد ہی اچھے ہو جاؤ گے۔"

ایک دن جیوتی نے اس سے کہا۔

"ہاں۔ یہ سب آپ کی اور ڈاکٹر صاحب کی مہربانی ہی کا نتیجہ ہے۔" دیپک نے جواب دیا۔

"کاش میں آپ لوگوں کے احسان کا بدلہ چکانے کے قابل ہوتا!"

"ارے! یہ تم کیسی باتیں سوچنے لگے!"

"ٹھیک ہی تو سوچتا ہوں جیوتی دیوی! اس دنیا میں کون کسی کے لیے اتنا سب کچھ کرتا ہے!"

"ہم نے تو کچھ بھی نہیں کیا دیپک! یہ سب تو بھگوان کی طرف سے ہے جس نے ہمیں ذریعہ بنایا ہے۔"

جیوتی بولی۔

"اگر تمہیں ہمارا احسان ہی چکانا ہے تو ہماری خوشیوں کا ہمیشہ خیال رکھنا۔ ڈاکٹر صاحب تمہیں زندگی کے نئے راستے پر ڈالنا چاہتے ہیں' انہیں مایوس نہ کرنا' تمہاری خوشیوں کو واپس لانے کے لیے وہ بہت فکرمند رہتے ہیں بالکل اسی طرح دیپک کہ جیسے تم مجھے خوش دیکھنے کے لیے پریشان رہا کرتے تھے۔"

"اپنی زندگی کا ایک ایک سانس دے کر بھی اگر میں ان کے کسی کام آسکا تو یہ میری خوش قسمتی ہوگی۔"

دیپک نے یقین دلایا۔

جیوتی نے محسوس کیا کہ دیپک کی آواز درد کے سمندر میں ڈوب جانا چاہتی ہے۔ اس کی اداسی نے جیسے ماحول پر بھی اثر کیا تھا۔ چاند کے چہرے پر بدلی چھا گئی تھی۔

"آپ مطمئن رہیں جیوتی دیوی! ڈاکٹر صاحب کی خوشی ہی میری خوشی ہے' آپ کا ساتھ ہی میرا سکھ ہے۔"

دیپک کہتا رہا۔

"میں کبھی اپنی طرف سے آپ دونوں کو مایوس نہیں کروں گا' آپ کی ہر خواہش کا احترام کرنا میرا فرض ہوگا۔"

"اچھا ایک بات بتاؤ۔"

جیوتی نے موضوع گفتگو بدل دیا۔

"آنکھوں کی پٹی کھلنے کے بعد تم سب سے پہلے کسے دیکھنا چاہتے ہو؟"

"میں..... میں..... میرے چاہنے سے کیا ہوگا جیوتی دیوی!"

دیپک کی آواز جیسے اس کے ٹوٹے دل کی آواز تھی۔

"اس کی بھی تو مرضی ہونی چاہئے۔"

"کس کی مرضی؟"

جیوتی چونک اٹھی۔

"تم تو اپنے بارے میں کچھ بتاتے ہی نہیں۔ یاد ہے' ایک مرتبہ میں نے تم سے تمہاری بیوی کا پتا مانگا تھا' لیکن تم ٹال گئے۔ کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ تمہارے دل میں کیا ہے! تم نہیں جانتے کہ میں تمہارے دل میں پوشیدہ راز جاننے کے لیے کتنی خواہشمند ہوں! مجھے بتاؤ دیپک! میں ہر طرح سے کوشش کر کے تمہاری بیوی کو اس وقت حاضر کر دوں گی جب آنکھوں سے پٹی کھلے گی"۔

"وہ..... وہ کس طرح آسکتی ہے جیوتی دیوی!..... وہ تو مر چکی ہے۔" یہ کہتے ہوئے دیپک کی آواز بھر گئی۔

جیوتی خاموش ہوگئی۔ اسے احساس تھا کہ اس حالت میں دیپک کو رونا نہیں چاہئے۔

"تم مجھے دیکھنا چاہتے تھے نا؟"

جیوتی نے ڈوبتی آواز میں اچانک پوچھا۔ وہ دیپک کا درد برداشت نہ کر سکی۔

"ہاں!"

دیپک نے جواب دیا۔

"تو پھر اس دن میں ہی تمہاری آنکھوں کے سامنے رہوں گی۔ پٹی کھلتے ہی تم سب سے پہلے مجھے دیکھ لینا۔ اس طرح کم سے کم تمہاری ایک خواہش تو پوری ہو جائے گی' ٹھیک ہے نا؟"

جیوتی اسے کسی بچے کی طرح بہلا رہی تھی' لیکن خود اس کے دل میں ایک کسک سی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی اپنی گذشتہ زندگی کے بارے میں جسے اس نے ایک انجان' ان دیکھے شوہر کی یاد میں گزار دیا تھا۔ دیپک کی محبت کی انتہا دیکھ کر وہ تڑپ اٹھی۔ اتنی ہی محبت' شاید اس سے بھی زیادہ محبت' اس کا وہ شوہر بھی کرتا ہوگا جس نے اسے ایک نئی زندگی دی تھی اور غالباً" خود موت کے اندھیرے میں کھو گیا تھا' لیکن اب وہ کسی اور کی ہو چکی ہے۔ اب تو اس کے لیے اسی میں بھلائی ہے کہ وہ سب کچھ بھول جائے۔ ماضی کی یادوں سے اسے کچھ نہیں ملے گا' اس راکھ کو کریدنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس راکھ سے اگر کوئی چنگاری نکل آئی تو پھر اس کی لپیٹ میں آکر زندگی کا سکون چھن جائے گا۔ وہ کہیں کی نہیں رہے گی۔

ایک رات دیپک اپنے بیڈ پر لیٹا شاید خاموشی کی زبان سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جیوتی پاس ہی کرسی پر بیٹھی اسی کے متعلق سوچ رہی تھی۔ اچانک کہیں دور بادل گرج اٹھے تو دیپک اٹھ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

"شاید بارش ہونے والی ہے۔"

اپنی بات کا جواب اقرار میں سن کر وہ بولا۔

"مجھے برآمدے میں لے چلئے!"

"چلو!"

جیوتی کھڑی ہوگئی اور اس کے قریب آئی۔

"ہاتھ پکڑ لوں؟"

"نہیں!"

دیپک بولا اور اٹھتے ہوئے کہا۔

"اب تو مجھے اندھیرے میں چلنے کی عادت ہو گئی ہے۔"

جیوتی کچھ نہ بولی اور دیپک کو سہارا دے کر برآمدے تک لے آئی۔ دیپک کو اس نے ریلنگ کے سہارے کھڑا کر دیا۔

کتنی اچھی ہوا چل رہی ہے! ایسے میں ڈاکٹر صاحب کی یاد تو آپ کو آ رہی ہو گی؟"

"آنا ہی چاہئے۔ اب میرا اس دنیا میں ان کے سوا اور ہے کون!"

"ہاں' اس میں کیا شک ہے!"

دیپک نے گہرا سانس لیا اور پوچھا۔

"ڈاکٹر صاحب کب آئیں گے؟"

"کوئی ٹھیک پتہ نہیں ہے۔"

"کوئی خط نہیں آیا لندن سے؟"

"آیا ہے۔"

جیوتی نے بتایا۔

"چھایا اچھی طرح ہے۔"

"میں تو ڈاکٹر صاحب کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔"

دیپک فوراً ہی تڑپ کر بولا۔ اس کے دل میں چھایا کے نام تک سے خوف سما گیا تھا۔

"وہ بھی اچھی طرح ہیں۔ تمہاری آنکھوں کی پٹی کھلنے سے پہلے ہی پہنچ جائیں گے۔ تم فکر نہ کرو! ہمیں تم سے زیادہ تمہارا خیال ہے۔"

"جیوتی دیوی!"

دیپک پر گویا موسم کا نشہ چھا گیا۔

"جی چاہتا ہے آپ کی خوبصورتی کا اندازہ میں اپنے ہاتھوں سے کروں۔"

تمہاری یہ آرزو پہلے پوری ہو سکتی تھی' لیکن اب تو میں ایک شادی شدہ عورت ہوں' دوسرے کی بیوی ہوں۔"

جیوتی نے اس کی بات کا ذرا بھی برا نہیں مانا۔

"آپ ٹھیک کہتی ہیں جیوتی دیوی! لیکن جانے کیوں کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ اپنی
ھوں سے پٹی نوچ کر پھینک دوں' اندھیرے کا بوجھ فوراً ہی اتار پھینکوں اور آپ کو جلد
ے جلد دیکھ لوں۔ ایسی خواہش پہلے تو بہت زیادہ تھی' لیکن ..... ڈرتا تھا کہ آپ برا نہ
جائیں۔

"اور اب کیوں نہیں سوچا کہ میں برا مان سکتی ہوں؟"

"اب آپ ایک شادی عورت ہیں' لیکن اس وقت تو میرے خلاف کچھ اور بھی
چ سکتی تھیں۔"

"اچھا تو پھر کچھ اور دن صبر سے کام لو' اس کے بعد اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا کہ میں
ی ہوں!"

"اور اگر میری آنکھوں کی روشنی واپس نہ آئی تو؟"

"تو پھر ڈاکٹر صاحب کی موجودگی میں تمہیں ایک بار ضرور موقع دوں گی کہ تم میرے
ے کو اچھی طرح اپنے ہاتھوں سے چھو کر دیکھ سکو' بس؟"

اچانک بجلی کوندی' بادل گرجے اور بارش پھوار بن کر ماحول پر چھا گئی۔ دیپک کو
را دے کر جیوتی اس کے کمرے میں لے آئی۔ اس نے دیپک کو بیڈ پر لٹا دیا اور خود
ہی پر بیٹھ گئی۔ بارش کا زور بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ ہواؤں کا بہاؤ تیز تر ہو گیا تھا۔ جیوتی
لی تھکن سے مغلوب ہو کر کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہی سو گئی۔

○..........○..........○

ڈاکٹر پرکاش کے لندن سے لوٹتے ہی جیوتی نے سکون کا سانس لیا۔ اس کے دل
سونا آنگن آباد ہو گیا۔ دیپک کی فکر چھوڑ کر وہ اپنے شوہر کی قربت میں کھو گئی۔ سارا د
باتوں ہی میں گزر گیا۔ صبح سے شام ہو گئی۔ سفر کا حادثہ لندن کی سیر' چھایا کی دیکھ بھال
سب کچھ ڈاکٹر پرکاش نے خوب مزے لے لے کر بتایا۔

"سچ کہتا ہوں جیوتی! اگر تم بھی ساتھ ہوتیں تو لطف آ جاتا۔"

"کیوں' کیا میرا تصور آپ کے ساتھ نہیں تھا؟"

"جیوتی! ڈاکٹر پرکاش نے اسے اپنے قریب کر لیا۔

"آپ کی خوشی ہی میری خوشی ہے۔ آپ خوش رہیں تو مجھے اسی گھر میں جنت ل
جائے گی۔"

"دیپک کیسا ہے؟"

ڈاکٹر پرکاش نے گفتگو کا موضوع بدل دیا۔

"اچھا ہے۔ آج کی شام بیت جانے کا وہ بہت بے چینی سے انتظار کر رہا ہے۔"

جیوتی نے جواب دیا۔

"کئی بار کہہ چکا ہے آنکھوں سے پٹی کھلتے ہی ..... "جیوتی کہتے کہتے رک
گئی....."۔

"ہاں ہاں کہو نا!"

ڈاکٹر پرکاش اسے چپ دیکھ کر بولا۔

"وہ.... وہ دیپک مجھے..... دیکھنا چاہتا ہے۔"

اس پر ڈاکٹر پرکاش نے جیوتی کو غور سے دیکھا۔ جیوتی سہم گئی۔ اسی لمحے ڈاکٹر پرکاش
زور سے ہنس دیا' پھر کہا۔

"تو کیا ہوا' کھڑی ہو جانا اس کے سامنے!"

جیوتی کچھ نہ بولی تو ڈاکٹر پرکاش نے مزید کہا۔

"کل صبح تم بہت سنور کر ہسپتال آنا! میں پہلے ہی یہاں سے نکل جاؤں گا۔ پٹی آٹھ
بجے کھلے گی' تم اس سے پہلے ہی ہسپتال پہنچ جانا۔ کیا حرج ہے' اگر آنکھیں کھلتے ہی وہ دنیا
کے حسین ترین شاہکار کا نظارہ کر لے! آخر وہ تمہیں مجھ سے چھین تو نہیں لے گا!"

"اور ہاں۔"

ڈاکٹر پرکاش پھر بولا۔

"تمہیں سفید گلاب پسند ہے نا! کل صبح تم خاص طور سفید گلاب اپنی سیاہ زلفوں
میں لگا لینا۔ تمہیں شاید نہیں معلوم کہ دیپک کو سفید گلاب ہی پسند ہے۔ تمہاری اور
اس کی پسند اس معاملے میں ایک ہے۔"

ڈاکٹر پرکاش مسکرانے لگا۔

"میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔"

نہ جانے کیوں جیوتی کانپ کر بولی۔

"مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے بہت جلد کوئی انہونی ہونے والی ہے۔"

"ایسی بدشگونی باتیں نہیں کرتے۔"

ڈاکٹر پرکاش نے بہت پیار سے اس کے حسین رخسار پر تھپکی دی۔

"بہت جلد تو بس ایک ہی کام ہونے والا ہے' خاص اور اہم کام اس کا ہونا بہت
ضروری ہے۔ اگر دیپک کی پٹی نہیں کھلی تو پھر جانے کیا ہو جائے گا۔!"

"نہیں' میرا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا۔"

جیوتی گھبرا کر بولی۔

"میری تشویش کا سبب دیپک نہیں ہے میں تو اپنے متعلق سوچ رہی تھی کہ آج میرا دل اتنا کیوں گھبرا رہا ہے؟"

"یہ سب تمہارا وہم ہے۔ تم اچھی خاصی تو ہو۔"

ڈاکٹر پرکاش نے اس کے چہرے کو ہاتھ سے اوپر اٹھایا۔

"میں نہیں آتا تب دوسری بات تھی۔ اب تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ پھر اپنے آنے کی خوشی میں ہم کل ایک پارٹی دینے والے ہیں صرف دیپک ہی کو چائے پر بلائیں گے۔ پھر وہ ہمارے ساتھ ہی رات کا کھانا بھی کھائے گا۔ یہ دعوت اس کی بینائی واپس آنے کی خوشی میں بھی ہوگی تاکہ اسے بھی احساس ہو کہ وہ اس دنیا میں اکیلا نہیں ہے۔ کیوں جیوتی' ٹھیک ہے نا!؟"

"ہاں!"

یہ کہتے ہوئے جیوتی کو خود اپنی آواز اجنبی سی لگی۔

دوسرے روز ٹھیک آٹھ بجے صبح دیپک کی آنکھوں سے پٹی کھلنے والی تھی۔ ڈاکٹر پرکاش کو ایک نرس نے آکر بتایا کہ فون آیا ہے۔ اس نے فون ریسیو کیا تو دوسری طرف سے اسے جیوتی کی جانی پہچانی آواز سنائی دی۔

"جی میں......"

"ہاں ہاں بولو کیا بات ہے۔؟"

ڈاکٹر پرکاش نے پوچھا۔"

کیا ہوا' تم ابھی تک ہسپتال کیوں نہیں آئیں؟"

"میں نہیں آسکتی۔......! میرا دل...... دل نہیں کر رہا ہے کہ میں وہاں آؤں۔"

"کوئی بات نہیں۔"

ڈاکٹر پرکاش بولا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"ہاں!"

ڈاکٹر پرکاش زور سے ہنسا۔

"بھلا تم سے منہ موڑ کر میں اس دنیا میں زندہ رہ سکتا ہوں! تمہاری تو ہر بات میرے

لیے ایک ادا ہے۔"

معاً اس کی نگاہ قریب ہی کھڑی ہوئی ایک نرس پر پڑی۔ اس نے گفتگو کو فوراً مختصر کر دیا اور بولا۔

"اچھا اب میں' دیپک کی پٹی کھولنے کے بعد ہی آؤں گا۔ بائے!؟"

ریسیور رکھ کر ڈاکٹر پرکاش نظریں جھکائے دیپک کے پاس چلا آیا۔

"جیوتی دیوی نہیں آئیں کیا؟"

دیپک نے محسوس کر لیا کہ ڈاکٹر پرکاش اکیلا ہے۔ کمرے میں اسے جیوتی کی مخصوص خوشبو کا احساس نہیں ہوا تھا۔

"اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔"

ڈاکٹر پرکاش کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔

دیپک کے منہ سے حیرت زدہ سی آواز نکلی اور پھر اس کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔

"کیا برا مان گئے؟"

ڈاکٹر پرکاش کو اس کی ناامیدی بہت کھٹکی۔

"جی...... جی نہیں تو...... نہیں ڈاکٹر صاحب!"

دیپک اپنی اداسی پر پشیمان سا ہو گیا۔

"بھلا اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے! طبیعت خراب ہو گئی تو ان کا کیا قصور!"

ڈاکٹر پرکاش نے محسوس کر لیا کہ دیپک جبراً مسکرا رہا ہے۔ وہ اسی لیے بولا۔

"مجھے واقعی بہت افسوس ہے دیپک کہ......"

"ارے ڈاکٹر صاحب' آپ بھی کیسی باتیں کرنے لگے!"

دیپک بول اٹھا۔

"چلیے پٹی کھولیے۔ آنکھیں جیوتی پانے کو بے چین ہوئی جا رہی ہیں۔"

O..........O..........O

جیوتی کا دل صبح ہی سے گھبرا رہا تھا۔ جب دیپک کی پٹی کھولنے کے لیے ڈاکٹر پرکاش پہلے ہی سے ہسپتال چلا گیا تھا تو اس نے جلدی جلدی سنگھار شروع کر دیا تھا پھر جیسے جیسے وقت قریب آتا گیا' اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی گئیں۔ جب آٹھ بجنے لگے تو اس کی بے چینی عروج پر پہنچ گئی۔ کوئی انجانا سا خوف اس کے دل کو اپنی سخت گرفت میں لئے ہوئے تھا گھر سے نکلتے نکلتے وہ پسینے میں شرابور ہو گئی۔ وہ گھر سے نکل کر لان تک آتے آتے ٹھٹھک گئی' پیر کانپنے لگے۔ گویا وہ کسی غلط سمت میں قدم اٹھا رہی ہو۔ گھبرا کر وہ لوٹ آئی۔ پھر اس نے ڈاکٹر پرکاش کو فون کر دیا کہ ہسپتال نہیں آ سکتی۔

اب وہ بے چینی سے اپنے بنگلے کے لان میں ٹہل رہی تھی۔ ایسی بے چینی' ایسی تڑپ اس نے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی وہ سوچنے لگی کہ آخر اس کا سبب کیا ہو سکتا ہے؟

آسمان پر آج صبح ہی سے بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہواؤں کی رفتار بھی کچھ تیز تھی حد نظر تک دکھائی دینے والے درختوں کی پتیاں اور شاخیں ہوا کے دباؤ سے جھکی جا رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے آج شام تک کوئی بہت بڑا طوفان آنے والا ہے۔ یہ طوفان کہیں اس کا بسا بسایا گھر نہ اجاڑ دے! اس کی مسرتوں کے شجر کو کہیں جڑ سے نہ اکھاڑ پھینکے! کتنی مشکلوں کے بعد بہت سوچ سمجھ کر اس نے ان مسرتوں کی بنیاد رکھی تھی! کتنی

حسرتوں سے اس نے اپنے آشیانے کے تنکے جمع کئے تھے! لیکن اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ آنے والا طوفان اس سے سب کچھ چھین لے گا! اس کی مسرتوں اور سکون میں آگ لگا دے گا۔ پرکاش سے اس کا وہ رشتہ ٹوٹ جائے گا جسے اس نے دو روحوں کا اٹوٹ بندھن سمجھ رکھا تھا۔ اس کے دل میں جانے کیسی بے کلی تھی! ایک تڑپ تھی جو اس کے سارے وجود میں زہر گھولتی جا رہی تھی۔ ہوا کے ایک ایک جھونکے پر وہ ٹھٹک جاتی۔ گیٹ کی طرف خود ہی اس کی نظریں اٹھ جاتیں۔ ایسا لگتا کہ بادلوں کا سہارا لے کر کوئی طوفان کی سی تیزی سے اس کے قریب آنے والا، اسے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے، اسی دنیا میں واپس جہاں سے بچ کر وہ یہاں بھاگ آئی تھی دکھ، تڑپ، آنسوؤں کا جہاں پھر اسے اپنی جانب کھینچ رہا تھا۔

دل کی انجانی بھڑکتی آگ کو خاموش کرنے کے خیال سے وہ لان میں چلی آئی تھی۔ پودوں اور کیاریوں میں اگی پتیوں کے ساتھ وہ پھولوں کو دیکھنے لگی جہاں ابھی تک شبنم کی دو ایک بوندیں باقی رہ گئی تھیں۔ اسے یوں لگا کہ یہ پھولوں بھرا چمن اس کے غم و الم میں شریک ہے۔ اس نے جھک کر ایک پھول توڑ لیا، سفید گلاب کا پھول! اس کی انگلی میں کانٹا چبھتے چبھتے بچا۔ اس کی پتیوں پر شبنم کے دو قطرے دکھائی دیئے۔ جیوتی کو ایسا محسوس ہوا جیسے دیپک کی آنکھوں سے وہ ٹپکے ہوئے آنسو ہوں۔

لان سے وہ اندر اپنے کمرے میں آ گئی۔ سنگھار میز کے مقابل بیٹھ کر آئینے میں اس نے اپنے پیکر کو بہت غور سے دیکھا، بہت حیرت کی نظر سے! جیسے وہ خود کو پہچان رہی ہو! پچھلی جیوتی اور اب کی جیوتی میں فرق دیکھ رہی ہو۔ کتنا زیادہ فاصلہ تھا ان دونوں میں! ایک کی آنکھوں میں اپنی بے غرض محبت کا غرور تھا، دوسری کی آنکھوں میں نئی زندگی کو پا کر نئی روشنی کی چمک تھی۔ ایک بجھے ہوئے دیپک کے مانند اداس ہو کر بھی اپنی کامیابی پر مسکرا رہی تھی، دوسری زندگی کی نئی روشنی، نئی خوشیاں پانے کے بعد بھی اداس تھی، بے چین تھی جیسے اس نے ساری دنیا کو حاصل کر کے بھی اپنا سب کچھ کھو دیا ہو۔

اس نے اپنے سجے سنورے چہرے کو دیکھا۔ نیلی نیلی آنکھوں سے جیسے سمندر چھلک پڑنے کو بے چین تھا۔ لبوں پر عجب سی تھرتھراہٹ تھی۔ سانسوں میں آہوں کی آمیزش تھی۔ پھول کو اس نے اپنے جوڑے میں لگا لیا۔ اپنی گردن میں پڑے ہار پر بھی

اس کی نظر پڑی۔ پیتل کا یہ ہار اس کے خانۂ دل میں روح بن کر اٹکا ہوا تھا۔ ہار کو اس نے چوم لیا۔ اس پر اپنے حسین لبوں کو رکھ کر وہ سسکنے لگی، آنسو بہانے لگی۔ اس کی آہوں سے کمرہ گونج اٹھا۔ یہ ہار ہی اس کی زندگی تھا، زندگی کا سچا رفیق! اس کے دل کا راز اسی ہار میں پوشیدہ تھا جسے چوم کر وہ دل کی تسکین کا سہارا ڈھونڈ لیتی تھی۔

ڈاکٹر پرکاش نے جب بھی اس پیتل کے ہار کو علیحدہ کر دینے کی تمنا کا اظہار کیا تھا تو اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔

"یہ میری ماں کی آخری نشانی ہے۔"

اپنے دل کو تسکین دینے کو وہ ایسا کہتی۔

"انہوں نے مرنے سے پہلے اپنے ہاتھوں سے یہ ہار مجھے پہنایا تھا۔ اگر آپ مجھے خوش دیکھنا چاہتے ہیں تو اس ہار کو میرے مرنے تک مجھ سے جدا نہ کیجئے گا۔ آپ نہیں جانتے پیتل کے اس ہار میں میری روح قید ہے۔ یہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے۔ آپکو میری قسم اسے حقیر سمجھ کر نفرت سے نہ دیکھئے گا۔ اس ہار کے بغیر میں ایک پل بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔"

ڈاکٹر پرکاش ایسی باتیں سن کر خاموش ہو جاتا۔ وہ جیوتی کو رنجیدہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ جیوتی کو اداس دیکھتے ہی وہ تڑپ اٹھتا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ڈاکٹر پرکاش کا دل بھر آتا تھا۔ جیوتی کے دل کا سکون اس کے لیے حقیقی راحت تھی۔ اسے دکھ ہوتا کہ گھر میں اتنے سارے ہیرے موتی کے ہار ہونے کے باوجود جیوتی اپنے گلے کی سجاوٹ کے لیے اس پیتل کے ہار ہی کو کافی سمجھتی تھی اور اس پر مطمئن تھی۔ ڈاکٹر پرکاش کا دل رکھنے کے لیے اگرچہ جیوتی نے کئی بار سونے، ہیرے اور موتیوں کے ہار بھی پہنے تھے، تاہم پیتل کے ہار کو گلے سے جدا نہیں کیا تھا۔ ہیرے اور موتیوں کے ہاروں کی موجودگی میں پیتل کا یہ ہار اپنی بھی حقیقت کھو بیٹھا تھا۔

معاً ٹیلیفون کی گھنٹی بجی تو وہ چونک اٹھی اور خود پر قابو پا کر ریسیور اٹھا لیا۔

دوسری طرف سے ڈاکٹر پرکاش کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو جیوتی! اتنی دیر سے فون کی گھنٹی بج رہی تھی اور تم نے اب ریسیور اٹھایا ہے!...... اچھا ایک خوش خبری سنو! دیپک کی بینائی واپس آ گئی۔ اسے اس کی جیوتی مل گئی۔ آپریشن کامیاب رہا۔ اب وہ دیکھ سکتا

ہے۔"

جیوتی خاموش رہی تو وہ پھر بولا۔

"تم نے مبارکباد نہیں دی.....؟"

"مبارک ہو۔"

وہ مردہ سی آواز میں کہنے لگی۔ جانے کیوں دیپک کی جیوتی واپس آجانے پر اسے ذرا بھی خوشی نہیں ہوئی۔

کیابات ہے جیوتی! تم خوش معلوم نہیں ہوتی؟"

"نہیں نہیں۔"

جیوتی جلدی سے اس طرح بولی جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو۔

"دراصل میں..... میں اس وقت اور ہی سوچ رہی تھی۔"

"دیکھو جیوتی!"

ڈاکٹر پرکاش کی آواز آئی۔

"یہ سوچنا ووچنا چھوڑو! میں تمہیں صرف ہنستے دیکھنا چاہتا ہوں جب دیکھو تم اداس رہتی ہو! کیا میرا تمہارے اوپر اتنا بھی حق نہیں کہ تمہاری اداسی کا سبب جان سکوں' دل کا درد معلوم کر سکوں!"

"ضرور ہے! مجھے بتاؤ کیابات ہے؟ کہو تو میں ابھی آجاؤں؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔ مجھے آج ماں بہت یاد آرہی ہے۔"

جیوتی نے بہانہ بنادیا۔

"اچھا سنو! مجھے آنے میں تھوڑی دیر ہو گی۔ ایک اور مریض کو دیکھنا ہے۔ اس کی حالت کچھ خراب ہے۔"

"ٹھیک ہے' میں آپ کو منتظر ملوں گی۔"

اس نے جواب دیا۔

"ہاں تمہیں آج کی دعوت تو یاد ہے؟ آج شام دیپک ہمارے گھر آئے گا۔"

ڈاکٹر پرکاش نے یاددہانی کرائی۔

جیوتی کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹتے چھوٹتے بچا۔ وہ بے چین سی ہو گئی۔ بڑی مشکل

سے وہ صرف ایک لفظ

”ہاں!“

کہہ سکی۔ دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اسی وقت زور سے بادل گر
اور بجلی کڑکی۔ جیوتی کا دل کانپ اٹھا۔ وہ دوبارہ خیالوں کی اس آگ میں جھلسنے لگی جس ک
کوئی معقول وجہ وہ خود نہیں جانتی تھی! شام ابھی زور تھی، مگر طوفان کے آثار ابھی سے
ظاہر ہونے لگے تھے۔



اس وقت کا وہ صبح ہی سے بڑی بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہا تھا۔ شام
ھلنے سے پہلے وہ اس لئے تیار ہو گیا۔ آنکھ کھلتے ہی بینائی واپس آنے کے بعد وہ
یوتی کو نہیں دیکھ سکا تھا۔ اس کا اسے بہت ملال تھا۔ ڈاکٹر پرکاش نے اسے بتایا
ا کہ جیوتی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ تبھی سے دیپک دل ہی دل میں جیوتی کے
یے دعائیں کر رہا تھا۔ ان دعاؤں میں ایک خود غرضی کا عنصر بھی شامل تھا۔ اگر
یوتی کی طبیعت ٹھیک نہ ہوتی تو شام کو وہ اسے دیکھ نہ پاتا۔ وقتی طور پر دعوت
نسوخ بھی ہو سکتی تھی۔ پھر وہ اس روز جیوتی کو دیکھنے سے محروم ہو جاتا۔ پھر نہ
جانے کب اس کی خواہش پوری ہوتی! جیوتی اب ہسپتال کی کوئی معمولی نرس تو
تھی نہیں کہ اس کا ہسپتال آنا ضروری ہوتا۔ اب تو وہ ڈاکٹر پرکاش کی بیوی بن
چکی تھی۔ دن بھر وہ جیوتی کے صحت یاب ہونے کی عائیں مانگتا رہا اور اس کا
دل لرزتا رہا کہ کہیں دعوت منسوخ نہ ہو جائے! مگر اسے ایسی کوئی اطلاع نہیں
ملی تو وہ اسے اپنی دعاؤں ہی کا نتیجہ سمجھا۔ ڈاکٹر پرکاش کے گھر جانے کی تیاری
کرتے ہوئے وہ بہت خوش تھا کہ اس کی تمنا پوری ہونے کا وقت آ گیا تھا۔ اب

وہ جیوتی کو قریب سے دیکھ سکے گا‘ میٹھی اور پرکشش آواز! اسی آواز کے
سہارے دیپک نے اپنے ذہن میں جیوتی کی ایک حسین تصویر بنائی تھی۔ اس
تصویر کا مقابلہ وہ اپنی کھوئی ہوئی جیوتی سے کرنا چاہتا تھا۔ جیوتی کے حسن کی
تعریف سنتے سنتے وہ اس قدر دیوانہ ہو گیا تھا کہ اسے چھو لینے کی خواہش دل میں
پیدا ہو گئی تھی۔ اپنی اس خواہش کو اس نے جیوتی سے چھپایا بھی نہیں تھا۔ اگر
اس کا آپریشن کامیاب نہ رہتا اور بینائی واپس نہ آتی تو وہ جیوتی کو ضرور چھو کر
دیکھتا‘ اسے محسوس کرتا۔ جیوتی سے اس نے یہ وعدہ بھی لے لیا تھا‘ مگر اب یہ
ضرورت نہیں رہی تھی۔

روانگی سے قبل اس نے پھر اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا۔ ویسے ہی گھنے
بال‘ ویسی ہی بڑی بڑی آنکھیں تھیں۔ لیکن چہرے میں تبدیلی آ گئی تھی۔
رخساروں سے لے کر گردن تک اب بھی کچھ داغ رہ گئے تھے۔ جہاں کی
پپڑیاں سوکھ کر چہرے سے الگ ہو گئی تھیں‘ وہاں جلد کی رنگت اس کے
گورے رنگ میں مل جانے سے کم ہی پتا چلتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ یہ داغ
بھی صرف چند روز کے مہمان ہیں۔ ان داغوں کے باوجود وہ خوب صورت لگ
رہا تھا۔ اس نے میں کشش تھی۔

جیسے ہی وہ ہسپتال کے گیٹ سے باہر آیا‘ جانے کیوں اس کے قدم لڑکھڑا
گئے۔ اس کا دل بھی تیزی سے دھڑک رہا تھا‘ لیکن وہ رکا نہیں۔ اس طرف
سے اپنا دھیان ہٹا لیا۔ چلتے ہوئے اس نے آسمان کی طرف نگاہیں اٹھائیں۔
بدلیاں اس کے رخساروں پر دھبوں کی طرح تھیں ہواؤں میں بھی اس کے دل
کے دھڑکنے کی تیزی تھی۔ وہ آگے بڑھتا رہا۔ جیسے جیسے ڈاکٹر پرکاش کا بنگلہ
قریب آتا گیا‘ دیپک کے دل کی دھڑکنیں اور بڑھ گئیں۔ آسمان پر گھٹائیں بھی
گہری ہوتی جا رہی تھیں۔ اس اچانک تبدیلی کا وہ کوئی سبب نہیں سمجھ سکا۔
راستے میں کئی بار اس کے قدم ڈگمگائے۔

دیپک نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر آج ڈاکٹر پرکاش یا جیوتی

نے اسے اپنی آپ بیتی سنانے پر مجبور کیا تو وہ انہیں مایوس نہیں کرے گا۔ آج
ہی صبح ڈاکٹر پرکاش کے بہ ضد ہونے پر اس نے شام کو اپنے دل کے درد کا راز
افشا کرنے کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ ڈاکٹر پرکاش کی اتنی
ساری خدمت اور بھلائی کے عوض کیا اتنا بھی نہیں کر سکتا؟ جیوتی نے بھی اس
کی بڑی خدمت کی تھی۔ وہ بھی اس کے دل کا بھید جاننے کی آرزو مند تھی۔ وہ
یہ سوچتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ آج میں‘ ڈاکٹر پرکاش اور جیوتی کو اپنی زندگی کی
ایک ایک افتاد سے آگاہ کر دوں گا۔ انہیں میں بتا دوں گا کہ اس افتاد کے پس
پردہ محبت ہی کی تڑپ اور دیوانگی ہے۔ اپنی جیوتی کو میں بہت پیار کرتا ہوں‘ اتنا
پیار کہ کسی نے بھی کسی کو اس قدر نہیں چاہا ہو گا۔ پھر میں اپنے جرم کا اعتراف
بھی کر کے خود کو قانون کے حوالے کر دوں گا۔ شاید مجھ پر مسلسل دکھوں اور
مصیبتوں کے آنے کا یہی سبب ہو کہ میں نے اپنے دیوانے پن میں ایک لاش کو
چرا کر اس کی روح کو بے انتہا تکلیف پہنچائی تھی۔ اگر قانون نے مجھے سزا دی تو
میں اپنے گناہ سے نجات حاصل کر لوں گا۔ یقیناً ڈاکٹر پرکاش اور جیوتی بھی مجھے
میری بے پایاں محبت‘ دیوانگی اور پاگل پن کا نتیجہ سمجھ کر اس گناہ کو معاف کر
دیں گے۔ آج میں بتاؤں گا کہ میری جیوتی کتنی زیادہ حسین اور خوب صورت
تھی! دراز سیاہ گیسو‘ حسین نیلگوں آنکھیں‘ بائیں ہونٹ کے نیچے ایک کالا تل!
ایسا حسین پیکر تو شاید دنیا میں کہیں نہ ہو۔

معاً اسے ٹھوکر لگی۔ وہ گرتے گرتے بچا۔

سامنے اسے ڈاکٹر پرکاش کا بنگلہ نظر آ رہا تھا۔

خود کو سنبھال کر اس نے بنگلے کا گیٹ کھولا اور اندر داخل ہو کر اسے پھر
بند کیا۔ لان کی طرف قدم اٹھاتے ہوئے اس نے دیکھا‘ آج کیاریوں میں پتیوں
اور پھولوں کے لبوں پر جیسے کوئی ان کہی بات ہے۔ ان کی نظریں جھکی جھکی سی
ہیں۔ شاید آنے والے طوفان کے خطرے سے یہ کسی کی آغوش میں چھپ جانا
چاہتے تھے۔ چند لمحوں کے لیے وہ رک گیا۔ کانٹوں کے درمیان چھپے ہوئے

ایک سفید گلاب کے پھول پر وہ جھکا اور ہاتھ بڑھا کر اسے توڑ لیا۔ جیوتی کو دینے کے لیے اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا' لاتا بھی کہاں سے؟ آج ہی تو وہ بستر علالت سے اٹھا تھا۔ اپنی اسی محرومی کو چھپانے کے لیے اس نے پھول کا سہارا لیا تھا۔ آگے بڑھتے بڑھتے اچانک اس نے اپنی انگلی میں جلن سی محسوس کی۔ کسی کانٹے نے اپنے پھول کو بچھڑتے دیکھ کر اسے یہ سزا دی تھی۔ آگے بڑھ گیا۔

برآمدے میں پہنچ کر اس نے چاروں طرف کا جائزہ لیا' پھر کال بیل کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ جانے کیوں بٹن پر انگلی پڑتے ہی لرزنے لگی تھی۔ اچانک دور کہیں بادل زور سے گرجنے لگے۔ اس کا دل پھر تیزی کے ساتھ دھڑک اٹھا۔ موسم کے تیور بدل رہے تھے۔

کچھ دیر بعد دروازہ کھلا۔ سامنے ڈاکٹر پرکاش کھڑا تھا۔ دیپک کو خوش آمدید کہتے ہوئے وہ مسکرایا۔

"آؤ آؤ دیپک! ہم تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔"

ڈاکٹر پرکاش اسے ساتھ لئے اندر لے جاتے ہوئے کہنے لگا۔

"چلو ڈرائنگ روم ہی میں چل کر بیٹھتے ہیں۔ کافی بھی تیار ہے۔ میں ابھی ابھی جلد بازی میں ایک میز سے ٹکرا گیا۔ تمہارے آنے کی خوشی میں اتنا کھو گیا تھا کہ مجھے میز نظر ہی نہیں آئی۔ کسی اور طرف دھیان ہی نہیں رہا۔ میز پر انک پاٹ رکھی تھی جو فرش پر گر گئی۔ میں نے سوچا' فرش کو ڈھلوا ہی دوں۔ تمہیں اسی لیے اندر نہیں لے جا رہا کہ فرش کی دھلائی ہو رہی ہے۔"

دیپک آہستہ سے مسکرایا۔ وہ خود کو خجل سا محسوس کر رہا تھا۔ اسے احساس کمتری سا ہو رہا تھا۔

ڈرائنگ روم میں ایک بڑی میز کے چاروں طرف کرسیاں رکھی تھیں۔ میز پر چادر بچھی تھی جس پر کافی کا سیٹ رکھا تھا۔ کھانے کی چند چیزوں کے علاوہ گل دان میں دو سفید گلاب بھی سجے ہوئے تھے۔ ایک ایک کرسی کھینچ کر وہ ایک دوسرے کے قریب ہی بیٹھ گئے۔

"جیوتی دیوی کہاں ہیں؟"

دیپک نے بے صبری سے پوچھا۔ اس کی بے چینی سفید گلاب سے ظاہر ہو ہی تھی جسے وہ اپنی انگلیوں کے درمیان گردش دے رہا تھا۔

"بس آتی ہی ہوں گی۔"

ڈاکٹر پرکاش نے مسکرا کر جواب دیا۔

"تم تو جانتے ہی ہو کہ عورتیں اپنے بناؤ سنگھار میں وقت کا خیال کبھی نہیں رکھتیں۔"

دیپک کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس کی آنکھوں میں جیوتی کی وہ تصویر گھوم رہی تھی جو تصور کے سہارے بنائی تھی۔

اچانک ڈاکٹر پرکاش کی نظر سفید گلاب پر پڑی اور وہ بولا۔

"یہ پھول کیا......"

"یہ میں' جیوتی دیوی کے لیے لایا ہوں۔"

دیپک نے اپنی خجالت پر پردہ ڈالنا چاہا۔ "اس وقت تو میں صرف یہی پھول نذر کرنے کے قابل ہوں' لیکن ایک دن یقیناً آپ دونوں کو بہت ہی اچھی چیز تحفے میں دوں گا۔ آپ لوگوں کا احسان تو میں......"

"پھر وہی بیکار کی بات لے کر بیٹھ گئے!"

ڈاکٹر پرکاش نے اس کی بات کاٹ دی۔ "کیا تم اب بھی ہمیں غیر سمجھتے ہو؟ تم میرے دوست ہی نہیں' بھائی بھی ہو! جانے قدرت کا یہ کیا راز ہے کہ میں ہر لمحے تمہاری خوشیوں کی فکر میں ڈوبا رہتا ہوں! تمہارا دکھ درد بانٹنے میں مجھے خوشی محسوس ہوتی ہے۔"

ڈاکٹر پرکاش کے الفاظ اور پرخلوص لہجے کا دیپک پر بہت اثر ہوا۔ اس کا جی چاہا کہ ڈاکٹر پرکاش جیسے عظیم اور بے غرض انسان کے پیر چھو لے۔

"لاؤ دیپک' یہ گلاب مجھے دے دو۔"

ڈاکٹر پرکاش نے کہا۔

"تم بہت چن کر اتنا حسین پھول لائے ہو۔ میں جیوتی کو اوپر جا کر دے آؤں گا تاکہ چاند کے ساتھ ایک ستارہ بھی آسمان سے نیچے اتر آئے۔ میرا خیال ہے کہ اب تک اس کا سنگھار مکمل ہو جانا چاہیے۔"

ڈاکٹر پرکاش نے پھول لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو دیپک نے پھول دے دیا۔

"ذرا ہی دیر میں کسی کے سیڑھیاں چڑھنے کی آواز آئی۔ دیپک سمجھ چکا تھا کہ جیوتی اوپری منزل پر ہے۔

دیپک تنہا رہ گیا تو ایک مرتبہ پھر اس کے دل کی دھڑکنوں میں اضافہ ہو گیا۔ اپنا دھیان بٹانے کے لیے اس نے کمرے پر طائرانہ نظر ڈالی۔ دیواروں پر صرف دو تصویریں لگی تھیں۔ ایک تصویر میں پھل اور پھول دکھائی دے رہے تھے اور دوسری تصویر ایک پہاڑی منظر کی تھی۔ کمرہ خوب صورتی سے آراستہ تھا۔ اس کی نگاہیں جیوتی کی تصویر بھی دیکھنا چاہتی تھیں، مگر اس کی کوئی تصویر وہاں نہیں تھی۔ اس پر وہ بے چین سا ہو گیا۔ کھڑکی سے اس نے باہر دیکھا۔ دور اور قریب لگے ہوئے درختوں کی شاخیں ہوا کے دباؤ سے جیسے جھوم رہی تھیں۔ بارش کے ساتھ آندھی آنے کا بھی امکان تھا۔

اس کا دم گھٹنے لگا۔ جیوتی کو وہ جلد سے جلد دیکھ لینا چاہتا تھا۔ اس کے حسن کا نظارہ کرنے کے لیے اسے اپنے دل میں ایک عجیب سی ہلچل کا احساس ہونے لگا۔ ایسی الجھن، اس طرح کی بے قراری اس نے زندگی میں کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ دل کے اندر جانے کون سی آگ تھی جو بھڑک اٹھنا چاہتی تھی، اسی کے ساتھ ٹھنڈی ہو کر خاموش ہو جانا بھی چاہتی تھی۔ اس آگ کی تپش سے اس کے ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں نمودار ہو گئیں۔ یہاں سے اٹھ کر اس نے باہر نکل جانا چاہا کہ اسی وقت ڈاکٹر پرکاش آ گیا۔

"کیا بات ہے دیپک؟"

ڈاکٹر پرکاش نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم کچھ پریشان سے دکھائی دے رہے ہو!"

"کوئی خاص بات نہیں ڈاکٹر صاحب!"

بات ٹالنے کے لیے دیپک نے جواب دیا۔

"ہے' کوئی خاص ہی بات ہے! تم کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو"۔

ڈاکٹر پرکاش نے اس کی چوری پکڑ لی۔

"جانے کیوں آج میرا دل گھبرا رہا ہے!"

دیپک نے اپنی پیشانی سے پسینا پونچھتے ہوئے بتا ہی دیا۔

"عجیب بات ہے۔"

ڈاکٹر پرکاش تعجب سے بولا۔

"بالکل یہی جیوتی بھی کہہ رہی ہے۔ وہ تو جانے کیوں اتنا بن سنور کر چلنے کو تیار ہونے کے بعد بھی یکایک پیچھے ہٹ گئی' کہنے لگی کہ دیپک کو واپس بھیج دو۔ پھر وہ خود ہی سسک اٹھی۔ جب میں نے تمہاری جانب سے گلاب دیا تو اس نے فوراً اسے اپنے بالوں میں لگا لیا۔ اس کے بعد خود ہی مجھ سے کہا کہ دیپک کو نہ جانے دو۔ اس کے دل کا راز کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ بات کرتے کرتے وہ اکثر رو پڑتی ہے' کچھ پوچھو تو سسک اٹھتی ہے۔ ایسا لگتا ہے گویا اس کا کچھ کھو گیا ہے۔ کسی کی یاد ...... یا شاید پھر اس کی ماں کی یاد ہی اسے ستانے لگتی ہے"۔

ڈاکٹر پرکاش کے چہرے پر سنجیدگی چھا گئی۔

دیپک نے جواب میں کچھ نہ کہا۔ وہ بہت خاموشی سے ڈاکٹر پرکاش کے دکھ کو محسوس کرنے لگا۔ اس دکھ کا دیپک کے پاس کوئی مداوا نہیں تھا۔

"تم نہیں جانتے دیپک کہ میں' جیوتی کو کس قدر پیار کرتا ہوں!"

ڈاکٹر پرکاش نے پھر کہا۔

"اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھتا ہوں تو میرا دل پھٹنے لگتا ہے۔ جی چاہتا ہے۔ اس کی خوشی کو برقرار رکھنے کے لیے اسمان اور زمین ایک کر دوں' لیکن

وہ مجھے کچھ بتاتی ہی نہیں۔ میں سچ کہتا ہوں دیپک' اگر جیوتی کو کچھ ہو گیا تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔ اس گھر کو آگ لگا دوں گا! میں اپنی جان دے دوں گا' خودکشی کر لوں گا! دیپک! جیوتی کو میں اتنا ہی پیار کرتا ہوں جتنا تم اپنی بیوی سے کرتے ہو۔ جیوتی کو خوش دیکھنے کے لیے میں اتنا ہی تڑپتا ہوں جتنا تم اپنی جیوتی کے کھو جانے سے تڑپتے رہتے ہو۔ جیوتی کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ وہ میری روح ہے۔"

○............○............○

ڈاکٹر پرکاش جانے کن جذبات کے بہاؤ میں اتنی ساری باتیں کہہ گیا! اس کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ بات ختم کر کے وہ رومال سے اپنی انکھوں کے کنارے خشک کرنے لگا۔ تب ہی نوکر نے آکر بتایا کہ اندر والے کمرے کا فرش صاف ہو چکا ہے، وہ چل کر بیٹھ سکتے ہیں۔

"آؤ دیپک، ہم وہیں چلیں۔"

ڈاکٹر پرکاش کی آواز اب بھی گلوگیر تھی۔

"کافی ہم وہیں پئیں گے۔ میں بھی بات کرتے کرتے کہاں بہک گیا!"

وہ زبردستی! مسکرایا!

دیپک خاموشی کے ساتھ ڈاکٹر پرکاش کے ہمراہ اندر والے کمرے کی طرف چل دیا۔ دل میں ایک بے قراری تھی کہ اس کمرے میں پہنچتے ہی وہ سب سے پہلے دیواروں پر لگی یا میز پر رکھی تصویروں میں جیوتی کو تلاش کرے گا۔ اسے یقین تھا وہ پہلی ہی نظر میں جیوتی کے خدوخال پہچان لے گا۔

ابھی انہوں نے کمرے میں قدم نہیں رکھا تھا کہ ڈاکٹر پرکاش نے دیپک کا بازو تھام کر اسے اوپری منزل کی طرف جانے والے زینے کی طرف متوجہ کیا۔

"وہ دیکھو دیپک! کون آرہا ہے!"

ڈاکٹر پرکاش زینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

دیپک کی نظریں فوراً ہی اوپر اٹھ گئیں۔

معاً ایک زلزلہ سا آگیا۔ بہت دور پوری آواز کے ساتھ بادل گرجے، بھی کڑکی۔ دیپک کے پیروں تلے زمین گھوم گئی، بہت تیزی سے! ہر شے چکرانے لگی۔ دیپک بھی انہی کے ساتھ تیزی سے گردش کرنے لگا۔ اپنی ھوں پر اسے اعتبار نہیں آیا۔

اس کے مقابل جیوتی تھی، اس کی جیوتی! وہ جو کبھی بجھ چکی تھی، مر چکی ۔ آج اس وقت سرخ جوڑے میں لپٹی اس کی نظروں کے سامنے شعلوں کی رت دمک رہی تھی۔ ایک بار موت کی گود میں کفن پہن کر بھی وہ ایک دلہن طرح معلوم ہو رہی تھی۔ آج اس دلہن کے روپ میں بھی وہ ایک جیتی ی لاش تھی۔

دیپک کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، سینے میں شدید درد اٹھا، دل پ کر باہر آنے کو بے چین ہو گیا، حلق میں کسی نے انگارے بھر دیئے۔ ن تالو سے چپک گئی، سانس اندر ہی گھٹ گیا۔ اس کے قدم فرش پر چپک کر گئے جیسے وہ پتھر بن گیا ہو۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ جیوتی کی طرف دیکھتا ہی گیا۔

جیوتی آرہی تھی، آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہی تھی۔ اپنے ایک ہاتھ پر چل کو سہارا دیئے وہ اس طرح سنبھل کر سیڑھیاں اتر رہی تھی گویا نرم اور ئی سے ملائم بادلوں پر چل کر بھی اس کے نازک پیروں میں موچ آجانے کا شہ ہو۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی، بے فکری کی مسکراہٹ! دل میں اید دیپک سے ملاقات کی خوشی تھی۔ وہ زینے سے اتر ہی آئی اور پھر دیپک ے قریب س کی نظروں کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

ہوائیں چلتے چلتے جیسے رک سی گئیں۔ وقت کی گردش گویا ٹھہر گئی۔

دیپک نے سر سے پیر تک بہت غور سے اسے دیکھا جیسے اب بھی اس کے وجود پر شک ہو۔ وہ یہ یقین ہی نہیں کر سکتا تھا کہ جیوتی کی روح آ کر اس طرح اس کے پیار کا مذاق اڑا سکتی ہے۔ گردن میں پڑا ہوا پیتل کا ہار اس کے زندہ ہونے کا ٹھوس ثبوت تھا۔ وہی بڑی بڑی پلکوں کی چھاؤں میں نیلی نیلی آنکھیں' نیلے آسمان کے نیچے جیسے گہرا نیلا سمندر ہو۔ ویسے ہی حسین ترشے ہوئے لب وہیں بائیں ہونٹ کے نیچے پیارا سا کالا چمکتا ہوا تل' وہی روپ' وہی رنگ' سب کچھ وہی جسے اس نے دل میں بٹھا کر پوجا کی تھی۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر تصویر حیرت بنا اسے دیکھتا رہ گیا۔ جیوتی کی لو' اس کی چنگاری میں اسے اپنی محبت کی گرمی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے انگ انگ پر جیسے دیپک کی محبت کے نشان ثبت تھے۔

اس نے دیکھا جیوتی کی آنکھیں پیاسی ہیں جیسے اب بھی اسے کسی کی تلاش ہو۔ اس کے لبوں پر سے رخساروں تک آئی ہوئی لکیریں کچھ بے جان سی تھیں۔ اس مسکراہٹ میں بھی ایک درد سا پھول ایک مدھم تارے کی صورت ٹمٹماتا ہوا گویا چاند کے لبوں کو چوم لینے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

دیپک کے جسم کی رگوں میں دوڑتے ہوئے خون کی رفتار خود ہی رک کر برف کی طرح منجمد ہو گئی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں ڈوبنے لگیں' پیروں کی طاقت جواب دے گئی۔ یہ سب کیا ہو گیا؟ اچانک ہی محبت کا یہ پانسا کس طرح پلٹ گیا؟ قسمت نے کس طرف کروٹ بدل لی؟ محبت کے ساتھ اتنی بڑی نا انصافی' اتنا بڑا فریب؟ دیپک کے ذہن پر سوالوں نے یلغار سی کر دی۔ اس کی سچی لگن کا یہ کیسا انعام ہے؟ کیا یہ اس کے جرم کی سزا ہے؟ وہ جرم جو اس نے محبت کی دیوانگی میں کیا تھا! یہ کیسی سزا ہے؟ محبت کے پاک شجر کا کیسا ثمر ہے؟

اس کے دل کی حالت سے بے فکر و بے خبر جیوتی اس کے سامنے تھی۔ اس کے دل کی آگ سے اٹھتی ہوئی چنگاریوں سے بہت دور وہ اپنی ہی دھن میں کھوئی ہوئی اس کی آنکھوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ پھر اچانک اس کے حسین

لبوں کو حرکت ہوئی۔

"مبارک ہو دیپک!"

اس کے لبوں سے صرف یہی الفاظ ادا ہو سکے۔

دیپک نے کچھ سنا ہی نہیں۔ اپنی آگ میں جلتا ہوا وہ اس جیوتی کے بارے میں سوچنے لگا تھا جو کبھی کی بجھ چکی تھی اور جس کی اب ایک چنگاری بھی باقی نہیں بچی تھی۔ بہت دیر تک وہ یونہی جیوتی کو دیکھتا رہا۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے' ایک ٹک! پھر خود ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

جانے کیوں' جانے کس اثر یا کشش کے تحت جیوتی کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔

"کیا بات ہے دیپک! تم خاموش کیوں ہو؟"

ڈاکٹر پرکاش نے دیپک کے متحیر اور سفید پڑتے چہرے کو دیکھ کر گھبراتے ہوئے پوچھا۔ ماحول کے اچانک تبدیل ہو جانے پر اسے سخت حیرت تھی۔ دیپک اب بھی خاموش تھا۔ اس نے جیسے کچھ سنا ہی نہ تھا۔

"دیپک!"

ڈاکٹر پرکاش نے بڑھ کر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

تب ہی دیپک نے محسوس کیا کہ وہ ڈاکٹر پرکاش کے گھر میں ہے' کسی اور کی بیوی کے سامنے کھڑا ہے۔ اسے یہ بھی یاد آ گیا کہ وہ یہاں کیوں آیا ہے! آج وہ ان کا خاص مہمان ہے۔ اپنے دل پر اس نے قابو پانے کی جدوجہد شروع کر دی۔ پھر اس نے گہرا سانس لیا اور جیسے ہوش میں آ گیا۔ اس نے سوچا! ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ ڈاکٹر پرکاش' اس کا محسن کوئی غلط رائے قائم کر بیٹھے۔

"دیکھ لی تم نے میری جیوتی؟"

ڈاکٹر پرکاش نے فخریہ لہجے میں مسکرا کر کہا۔

"جی ..... جی ہاں! آپ .... آپ کی جیوتی"۔

دیپک کے منہ سے بہ مشکل یہ الفاظ نکل سکے۔

"کیسی ہے میری پسند؟"

ڈاکٹر پرکاش نے پوچھا۔

"میری طرح"۔

دیپک نے دل پر پتھر رکھ کر جواب دیا۔

"بے مثال"۔

ڈاکٹر پرکاش پر غرور کا نشہ سا طاری ہو گیا۔

"ڈاکٹر صاحب!"

دیپک کچھ دیر بعد اچانک ہی ڈاکٹر پرکاش کی طرف مڑا۔

"مجھے معاف کیجئے .... میں ..... میں جانا چاہتا ہوں۔ مجھے ایک ضروری یاد آ گیا ہے۔"

دیپک کی آنکھوں کے آنسو اس کے رخساروں پر موتی کی لڑیوں کے مانند لگے۔

"جانا چاہتے ہو! کہاں؟"

ڈاکٹر پرکاش نے حیرت سے پوچھا۔

"اور یہ آنسو؟"

دیپک نے ڈاکٹر پرکاش کے دوسرے سوال کا جواب نہیں دیا اور بولا۔

"وہیں جانا چاہتا ہوں ڈاکٹر صاحب' جہاں سے میں ایک دن اپنے دل میں کی ایک آگ لے کر شانتی نگر میں شانتی تلاش کرنے چلا آیا تھا۔ اب تک آگ میں برابر جھلستا رہا ہوں۔ میرا سارا جسم اس آگ میں جل جل کر ی روح کا گلا گھونٹ رہا ہے' لیکن یہ سب بے مطلب تھا بیکار تھا۔ اب یہ بجھ چکی ہے' راکھ ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ میرا رکنا اب یہاں ذرا بھی مناسب ں۔ مجھے جانا ہی چاہیے!"

"یہ سب تم کیا باتیں کرنے لگے دیپک؟"

جیوتی بول اٹھی۔

"چلو یہاں بیٹھو!؟"

"نہیں جیوتی دیوی، مجھے مت روکئے۔"

دیپک نے جیوتی کی آنکھوں میں جھانکا۔

"مجھے فوراً ہی جانا پڑے گا۔ اگر میں رک گیا تو اس ٹھنڈی راکھ میں پھر چنگاری پیدا ہو جائے گی، شعلے پھر بھڑک اٹھیں گے، کچھ اس تیزی کے ساتھ کہ یہ سارا شہر، ساری دنیا اس کی لپیٹ میں آکر برباد ہو جائے گی۔ یہ دھرتی پھٹ جاوے گی۔ آسمان گر پڑے گا، اپنی جان دیدے گا، میری اصلیت پہچان کر"۔

یہ کہتے ہوئے دیپک سسک اٹھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

جیوتی کا دل بھر آیا۔ وہ بھی رو دی۔ ڈاکٹر پرکاش کو چپ سی لگ گئی۔

"میں جا رہا ہوں"۔

دیپک سسکیوں کے درمیان بولا۔

"میری فکر نہ کیجئے گا اور..... اور میری کسی بات کا برا نہ مانئے گا۔ آپ لوگوں کا پیار، احسان اور نیکی کو میں تمام زندگی نہیں بھول سکتا۔ بھگوان کرے کہ آپ دونوں کو میری بقیہ عمر بھی لگ جائے۔ میں .... میں تو دیوانہ ہوں ..... پاگل ہوں .... میں....."

اپنی بات ادھوری چھوڑ کر وہ واپسی کے لیے مڑا۔ اس نے چاہا کہ تیز قدمی کے ساتھ باہر نکل جائے، لیکن جیوتی نے اس کا راستہ روک لیا۔

"دیپک!"

جیوتی تیزی سے بولی۔

"یہ سب کیا ہے؟ آخر کیا بات ہے؟"

"جیوتی دیوی!"

دیپک تھوڑا سا آگے بڑھا اور جیوتی کے بالکل قریب آگیا۔ جیوتی کی نیلی اور گہری سمندر جیسی آنکھوں میں اس نے اپنی آنکھیں ڈال دیں جیسے ان کی گہرائی میں ڈوب کر وہ اپنی محبت کی قیمت تلاش کر رہا ہوں۔

جیوتی نے محسوس کیا کہ دیپک کی آنکھوں میں ایک غیر معمولی چمک ہے، ایسی چمک اور کشش جس کی جانب وہ اپنے پورے وجود کے ساتھ کھنچتی چلی جا رہی تھی دیپک کی آنکھوں میں ایک پراسرار امید تھی۔ وہ اس امید میں اپنی امید لئے ڈوب گئی۔ اسے بھی کسی کی تلاش تھی کہ شاید وہ ڈوب کر پار اتر جائے!

دیپک سے یہ بات پوشیدہ نہ رہ سکی۔ وہ آنے والے انقلاب کا انجام سوچ کر لرز گیا۔

"اچھا ہے کہ آپ کچھ بھی نہ سمجھ سکیں۔"

دیپک نے اپنی بات جاری رکھی۔

"مجھے جانے دیجئے! مجھ سے مت پوچھئے کہ اس سینے کے اندر کیسا زخم ہے! میں ..... میں اپنے دل کا راز کسی ...... کسی کو بھی نہیں بتاؤں گا!"

دیپک نے اپنا چہرہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"کیوں نہیں بتاؤ گے؟" جیوتی نے پرعزم لہجے میں سوال کیا۔ اس کی آواز جذبات کی شدت سے کانپ رہی تھی۔

"کیا ..... کیا تم پر ہمارا کوئی حق نہیں ہے؟ کیا اسی دن کے لیے ہم نے دن رات تمہاری خدمت کی تھی؟ کیا تم ہماری بے غرض محبت کا یہی صلہ دینا چاہتے ہو؟ میں تمہیں ہرگز یہاں سے نہیں جانے دوں گی! تمہیں اپنے دل کا راز آج بتانا ہی پڑے گا! دیپک! تمہیں ..... تمہیں میری قسم! مجھے بتاؤ کہ آخر تم اس طرح سدا کیوں آہیں بھرتے رہتے ہو، تڑپتے رہتے ہو؟ کون ہے وہ بے وفا کہ جس نے تم سے تمہاری خوشیاں چھین لی ہیں؟ تمہاری بربادی کا سبب کون ظالم ہے؟ کون سا راز ہے جس نے تمہاری آنکھوں میں آنسو بھر دیئے ہیں؟ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہارے سکون کو واپس لانے کے لیے سخت سے سخت راہ کو بھی آسان بنا دوں گی۔ مجھ پر اعتبار کرو! میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔ آخر تم پچھلی باتوں کو بھول کیوں نہیں جاتے؟ یاد ہے، تم نے ایک بار کہا!

تھا' زندگی نام ہے ہنس کر گزار دینے کا' گھٹ گھٹ کر مرجانے کا نہیں!"

جیوتی تقریباً رو پڑی۔

"ہاں جیوتی دیوی' مجھے یاد ہے۔ میں نے ایک روز ضرور ایسا کہا تھا' لیکن ..... لیکن شاید مجھے ایسا نہیں کہنا چاہئے تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا۔ کہ ....."

دیپک چپ ہو گیا۔

جیوتی نے اسے آنسو پونچھتے دیکھا اور پوچھا۔

"تمہیں کیا معلوم نہیں تھا؟"

"کچھ نہیں جیوتی دیوی' کچھ نہیں!"

دیپک کی آواز میں بے بسی تھی۔

"مجھ سے کچھ مت پوچھئے! میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں ورنہ سب کچھ برباد ہو جائے گا' سب کچھ ختم ہو جائے گا!"

جیوتی خاموش ہو گئی۔ دیپک کی کسی بات سے کوئی بھی نتیجہ اخذ نہ کر سکی' صرف بھیگی بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ ڈاکٹر پرکاش بھی دیپک کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا جیسے واقعی دیپک پاگل ہو گیا ہے' اس پر پوری طرح دیوانگی چھا گئی ہے اور اب وہ کسی بھی حالت میں یہاں رکنے کو راضی نہیں ہو گا۔

دیپک واپسی کے لیے مڑا۔ سسکتا روتا وہ آگے بڑھا۔ کچھ فاصلہ طے کر کے وہ رکا۔ پلٹ کر اس نے ایک بار ڈاکٹر پرکاش کو دیکھا اور پھر جیوتی کی طرف نظریں اٹھیں۔ ڈاکٹر پرکاش کی نم آلود آنکھوں میں اس کے لئے درد تھا' تڑپ تھی مگر جیوتی سے شاید اس کا دکھ برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ رو پڑنا چاہتی تھی۔

"جیوتی دیوی!"

دیپک نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے کہا۔

"ایک چیز مانگ لوں..... دے سکیں گی؟"

جیوتی فوراً اس کے قریب چلی آئی۔ اس نے سامنے کھڑے ہو کر اپنی نم

ناک آنکھوں سے دیپک کو یوں دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ اس کے لیے وہ کچھ بھی کرنے کو تیار ہے۔

"جب تک آپ زبان سے وعدہ نہیں کریں گی۔ میں کچھ بھی نہیں مانگوں گا۔"

دیپک نے جیوتی کی نظروں کا مفہوم سمجھ کر کہا۔

"ہاں میں تمہیں زبان دیتی ہوں۔ تم مجھ سے کچھ بھی مانگ لو دیپک! اگر میرے امکان میں ہوا تو دنیا کے سارے قید و بند کو ٹھکرا کر میں تمہاری خواہش پوری کر دوں گی' چاہے اس کے بدلے مجھے اپنی جان ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ مجھ پر بھروسہ کرو!"

ایک پل کے لئے دیپک کے دل میں ہزاروں آرزوئیں' سینکڑوں حسرتیں ایک ساتھ ابھر آئیں۔ زندگی کا ہرا بھرا چمن مسکرا کر اس کے حواس پر چھا گیا' امیدوں کا گلزار مہکنے اور نکھرنے لگا۔ اس کا جی چاہا کہ اپنے وجود میں بھڑکتی ہوئی محبت کی آگ کے بدلے اپنا حق مانگ لے۔ وہ یہ حق مل جانے پر سکون حاصل کر سکتا تھا اپنی زندگی کا مقصد پا سکتا تھا جس کے حصول کی خاطر وہ اب تک ٹھوکریں کھاتا پھر رہا تھا اس کے دل کی جیوتی اسے مل سکتی تھی۔ اس کی اپنی جیوتی! کاش میں اندھا ہی رہتا۔٭

O............O............O

اشک آلود آنکھوں سے جب اس نے ڈاکٹر پرکاش کو دیکھا تو لرز اٹھا۔ اسے ڈاکٹر پرکاش پریشان دکھائی دیا۔ شاید وہ کسی الجھن سے آزاد ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ دیپک اس کے احسانوں کا بوجھ محسوس کر کے اپنے دل کی بات زبان پر لا نہ لا سکا۔ وہ سوچنے لگا کہ اب تو جیوتی کی بھی شادی ہو چکی ہے۔ وہ ایک شادی شدہ عورت ہے۔ ڈاکٹر پرکاش کے سوا اب اس پر کسی کا حق نہیں۔ سارے سماج کو گواہ بنا کر اس نے جیوتی کو اپنایا ہے۔ اگر اس نے اپنی آرزو کی تکمیل کے لیے کسی بھی راز کو بے نقاب کر دیا تو سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔ اس گھر میں ایک زلزلہ آ جائے گا۔ ڈاکٹر پرکاش کا دل ٹوٹ جائے گا۔ غم کی اس آندھی سے اس کا مسکراتا ہوا پرکاش گل ہو جائے گا۔ زندگی کے اس اندھیرے کی لپیٹ میں جیوتی بھی آ سکتی ہے۔ وہ خود بھی اس سے نہیں بچ سکے گا۔ دیپک نے سب کچھ سوچ کر اپنے خود غرضانہ خیالات کو ذہن سے جھٹک دیا۔ جیوتی کے گلے میں پڑے ہار کو اس نے بہت حسرت بھری اور ترستی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

"یہ ..... یہ جو ہار ہے نا....."

بھرائی ہوئی آواز میں اس نے منت کی۔

"یہ ہار مجھے دے دیجئے جیوتی دیوی!"

جیوتی کا سارا وجود یہ سنتے ہی کانپ اٹھا۔ جیسے کسی زہریلے سانپ نے اسے ڈس لیا ہو وہ کچھ اس طرح چونکی۔ اس کی آنکھوں کے نیلے سمندر کی جگہ سرخی چھا گئی۔ اس کا ہاتھ فوراً اپنے گلے پر پہنچ گیا۔ پوری قوت سے اس نے ہار کو اس طرح پکڑ لیا گویا دیپک کوئی چور یا ڈاکو ہے جو اس کی سب سے قیمتی چیز کو چھین لے گا۔

"نہیں نہیں' ایسا نہیں ہو سکتا!"

وہ ایک دم بول اٹھی۔ اس کے کانپتے جسم کے ساتھ ہی آواز بھی کانپ رہی تھی۔

"ایسا..... ایسا کبھی نہیں ہو سکتا' کبھی نہیں!
میں..... میں یہ ہار..... تمہیں نہیں دوں گی' بالکل نہیں!"

دیپک کے سامنے سے ہٹ کر وہ اپنے شوہر کے پاس آ کھڑی ہوئی دیپک کے سائے تک سے اس کا دل سہم گیا تھا۔

ڈاکٹر پرکاش کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔ کبھی وہ حیرت بھری نظروں سے دیپک کی طرف دیکھتا اور کبھی جیوتی کو۔ اس کے باوجود ہار سے پیچھا چھڑانے کا یہ بہت اچھا موقع تھا۔ ڈاکٹر پرکاش کو اس بات کا پوری طرح احساس تھا۔ اس کی تو شروع سے یہ تمنا تھی اس ناچیز دو کوڑی کے ہار کو جیوتی کی گردن سے نکال کر پھینک دے۔ ڈاکٹر پرکاش کے نزدیک وہ ہار اس کی شان و شوکت پر ایک دھبہ ہونے کے ساتھ جیوتی کی مسرتوں کے راستے میں بھی ایک پتھر تھا۔ اسی ہار کے سبب تو جیوتی اکثر ہنستے ہنستے اداس ہو جاتی تھی۔ اس ہار کو چوم چوم کر تو وہ کبھی کبھی پاگلوں کی طرح رونے لگتی تھی۔ اس کی ماں کی نشانی میں جانے کیا راز تھا جسے کبھی وہ اپنی زبان پر نہیں لائی تھی۔ اسے یقین تھا کہ جیوتی نے جب اس کی بات نہیں مانی تو بھلا دیپک کی بات کس طرح مان لے گی اور اس ہار کو خود سے جدا کرنے پر راضی ہو جائے گی۔ پھر بھی اس نے ایک بار کوشش کی اس بہانے جیوتی کے جمالی پیکر سے یہ گہرا داغ ہٹ جائے تو اچھا ہے۔

جیوتی کو ڈاکٹر پرکاش نے سہارا دے کر کہا۔

"ہاں ہاں دے دو نا یہ ہار۔ جب تم وچن دے چکی ہو تو پھر انکار کیسا؟"

"نہیں نہیں!"

جیوتی نے صاف انکار کر دیا۔

"میں یہ ہار کسی بھی قیمت پر دیپک کو نہیں دے سکتی' اسے تو کیا کسی کو بھی نہیں مجھ سے کوئی ..... کوئی بھی یہ ہار نہیں لے سکتا! یہ ..... یہ میری زندگی ہے۔ اس ..... اس ہار میں میری روح بسی ہوئی ہے۔ یہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے۔ اسے میں کبھی .... کبھی خود سے جدا نہیں کر سکتی۔ میں مجبور ہوں اور..... اور آپ بھی میری اس مجبوری کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔"

"ایسی آخر کیا مجبوری ہے جیوتی؟"

ڈاکٹر پرکاش نے ہمت نہیں ہاری۔

"کیا آپ کو نہیں معلوم کہ ..... کہ یہ ہار ہی میرے سکون دل کا واحد سہارا ہے!..... اگر میں اس دنیا میں کسی شے کو پیار کرتی ہوں' کسی کی پوجا کرتی ہوں تو وہ یہی ہار ہے۔ اس کی حفاظت کے لئے میں بڑی سے بڑی قربانی دے سکتی ہوں۔ آپ کو بھی میں اس پر قربان ہو جانے کے لیے مجبور کر سکتی ہوں' لیکن ......"

وہ سسک اٹھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ وہ اس طرح کانپنے لگی جیسے دل میں ٹھہرا ہوا درد ناسور بن گیا ہو۔ وہ رک رک کر کہتی ہی گئی۔

"دیپک سے کہہ دیجئے کہ وہ ...... وہ فوراً یہاں سے نکل جائے ..... چلا جائے! نہیں تو میں ..... میں خود ہی یہاں سے ہمیشہ کے لیے چلی جاؤں گی۔"

یہ کہتے ہی جیوتی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

جیوتی نے اب ڈاکٹر پرکاش کے سینے پر سر رکھ دیا تھا اور ہچکیاں لے رہی تھی۔ اس کے سانسوں کی درد بھری آواز سے ڈاکٹر پرکاش کا دل چھلنی ہو گیا۔

دیپک' جیوتی کے قریب آیا۔ آخری بار اس نے جیوتی کو بہت پیار سے

کھا۔ جیوتی نے بھی دیپک کی طرف نگاہ اٹھائی اور سوچا' کس درجہ درد ہے
ں کی سیاہ آنکھوں کے اندھیرے میں! یہ محسوس کر کے وہ تڑپ اٹھی اور مزید
پک کی طرف نہ دیکھ سکی تو اس نے اپنی نظریں جھکا لیں۔

دیپک نے کچھ نہیں کہا صرف ایک گہرا سانس لیا۔ اس کے لبوں پر ہلکی
ا مسکراہٹ نمودار ہوئی' پردرد مسکراہٹ جس میں محبت کی ہار تھی اور جیت
ی' جس میں اس نے بہت کچھ کھویا تھا تو کچھ پایا بھی تھا۔ جیوتی کے دل پر اپنی
بت کے انمٹ نقوش دیکھ کر اس کی مسکراہٹ میں غرور کی لہر بھی شامل تھی۔
ر سے پیر تک وہ جیوتی کو دیکھ کر پلٹا اور پھر تیز قدموں سے آگے بڑھ گیا۔

"سنو دیپک!"

جیوتی نے اسے آواز دی۔

"رک جاؤ!"

دیپک وہیں رک گیا اور پلٹ کر جیوتی کی بھیگی بھیگی آنکھوں کی طرف دیکھا۔

"تمہیں ہار ہی چاہئے نا؟"

جیوتی اس کے قریب آ کر بولی۔

"تم مجھ سے موتیوں کا ایک قیمتی ہار لے لو.... ایک کیا' سبھی سونے کے ہار بھی لے لو۔ جو بھی قیمتی ہار میرے پاس ہیں' میں .... میں وہ تمہیں دینے کو تیار ہوں۔ اس ہار کو لے کر تم کیا کرو گے؟ یہ تو پیتل کا ہار ہے دیپک! قیمت بھی اس کی کچھ نہیں۔ بھلا یہ تمہارے کس کام آئے گا!"

اور زیادہ وہاں رکنا دیپک نے مناسب نہیں سمجھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھ کر برآمدے میں پہنچا۔ لان میں قدم رکھتے ہوئے اس کی نگاہ کیاریوں کی طرف اٹھی۔ پھول پھول' پتی پتی' ٹہنی ٹہنی اداسی اور تیز ہواؤں کے دباؤ سے جھکی جیسے فریاد کناں تھی۔ چلتے چلتے جانے کیوں اس کے قدم دھیمے پڑ گئے جیسے وہ رکنا چاہتا ہو' شاید پلٹ کر آخری بار جیوتی کو دیکھنا چاہتا ہو' لیکن دل میں سر اٹھاتی خواہشوں کے طوفان کو اس نے دبا دیا۔ اس کے ارمان جل کر راکھ ہو چکے تھے۔ وہ آگے بڑھ گیا۔

پھر دیپک نے آگے بڑھ کر گیٹ کھولنے کے لیے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ جیوتی کی سسکتی ہوئی آواز کچھ تیز ہو کر اس کے کانوں میں پگھلے ہوئے گرم گرم سیسے کی طرح اتر گئی۔ ڈاکٹر پرکاش کے سینے سے لگی وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔ دیپک کے چلے جانے کا اسے بے حد افسوس تھا۔ دیپک کی دوری اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ دیپک جیسے اس کی زندگی کا ایک حصہ بن چکا تھا جس کے چلے جانے سے اس کے دل کو کبھی سکون میسر نہیں آسکے گا۔

ڈاکٹر پرکاش اس کا چہرہ اپنے سینے میں چھپائے اسے تسلی دے رہا تھا۔ پھر بھی جیوتی روتی رہی، سسکتی رہی۔ اس کی ہچکیاں ہوا کا دامن تھام کر دیپک کی سماعت میں اترتی جا رہی تھیں۔

وہ کچھ ٹھٹھکا اس کے قدم ڈگمگائے۔ پھر اس نے خود کو سنبھال لیا۔ اپنے نچلے ہونٹ کو دانتوں سے سختی کے ساتھ کاٹتے ہوئے اس نے اپنے ڈوبتے دل کو سہارا دیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی ذرا سی بھول سے جیوتی اور ڈاکٹر پرکاش کی زندگی میں زہر بھر جائے! اس کے اپنے سکون دل کی خاطر دوسروں کا سکھ چین قربان نہ ہو جائے! اس مہنگے سودے کا کہیں خود ہی اسے شکار نہ بن جانا پڑے!

گیٹ کھولنے کے لیے اس نے دوبارہ ہاتھ آگے بڑھایا۔ اسی لمحے جیوتی کی کانپتی ہوئی آواز ایک تڑپ لئے پھر اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"دیپک!"

اس کا اٹھا ہوا ہاتھ نیچے جھول گیا۔ پلٹ کر دیکھا تو اسے جیوتی نظر آئی۔ وہ اپنے گلے سے پیتل کا ہار اتارتی ہوئی اسی کی طرف آ رہی تھی۔

ذرا ہی دیر میں جیوتی اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ دیپک کے سامنے ہی اس نے ہار کو چوما، کئی بار چوما، کئی مرتبہ اسے اپنی آنکھوں سے لگایا اور پھر وہ ہار کو بہت پیار سے آخری بار پر شوق نظروں سے دیکھنے لگی جیسے خود اپنے جنازے کو الوداع کہہ رہی ہو۔ پیتل کے ہار پر اس کی آنکھوں سے ٹپکتی آنسوؤں کی بوندیں موتیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ کتنے قیمتی تھے ایک بے

س کے یہ آنسو!

"یہ لو۔"

دیپک کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے وہ بولی۔

"یہ ہار مجھ بدنصیب کے گلے میں ایک ایسے بدقسمت نے پہنایا تھا جسے میں بت کرنے کے باوجود کبھی دیکھ نہ سکی۔ اس کو دیکھنے کے لیے میں در در بھٹکتی رہی، ٹھوکریں کھاتی رہی۔ اسے تلاش کرتے کرتے میں خود بھٹک گئی۔ میں نے س کی آرزو میں اپنا سب کچھ گنوا دیا، ہاں سب کچھ! اپنی منزل، اپنی تمنائیں، یں سبھی کچھ کھو بیٹھی، پھر بھی وہ مجھے نہیں ملا۔ اسے دیکھنے کو میری آنکھیں ترس گئیں۔ شاید میں زندگی بھر اس کا انتظار کرتی رہتی، اپنی ساری عمر اس کی عجیب اور بے پایاں محبت کے سہارے گزار دیتی، لیکن ..... لیکن تمہیں نے میرے ارادوں پر پانی پھیر دیا۔ مجھے میری منزل سے بھٹکا کر تم نے زندگی کا مقصد سمجھایا۔ میری زندگی کو بے جان بتا کر تم نے میری اندھیری راتوں میں پرکاش (اجالا) بھر دیا۔ تمہارے ہی بتائے ہوئے راستے پر میں اب بھی چل رہی ہوں۔ اس راہ پر چل کر میں پرکاش میں کھونا چاہتی ہوں تاکہ زندہ رہ سکوں۔ زندہ رہ کر میں اپنے دیوتا کو نہ بھی پا سکوں تو ایک بار اس کے درشن تو کر لوں جس نے مجھے نئی زندگی دی تھی۔"

پھر جیوتی نے مختصراً" اپنی گذشتہ زندگی، عارضی موت اور پھر دوبارہ جی اٹھنے کی روداد بیان کر دی، پھر کہنے لگی۔

"یہ ہار میرے محبوب کی واحد نشانی ہے جسے اس نے اپنے ہاتھوں سے میرے گلے میں پہنایا تھا اور جسے میں نے آج تک اپنے گلے سے نہیں اتارا تھا۔"

"پھر..... پھر آپ آج کیوں ایسا کرنے پر مجبور ہو گئیں جیوتی دیوی؟"

دیپک کی زبان پر بے اختیار یہ سوال آ گیا۔

"اس کی وجہ میں نہیں جانتی۔"

جیوتی نے جواب دیا۔

"نہ جانے تمہارے اندر کونسی ایسی کشش ہے کہ تمہاری کسی خواہش کو میں چاہوں بھی تو ٹھکرا نہیں سکتی۔"

اس کا سانس تیز تیز چلنے لگا پھر بھی وہ کہتی گئی۔

"لو دیپک! میں اپنی زندگی کی سب سے قیمتی شے تمہیں سونپ رہی ہوں۔ اب تم ہی اس کے محافظ ہو اسے بہت سنبھال کر اپنے سینے میں چھپائے رکھنا! جب کبھی تمہارے دل پر اس کا بوجھ محسوس ہونے لگے تو اسے مجھے لوٹانا ہرگز مت بھولنا یہ ...... یہ ہار میرے جسم کا ایک عضو ہے' میرا دل ہے۔ کاش ...... کاش تمہاری اس خواہش کو رد کرنے کی مجھ میں ذرا بھی ہمت ہوتی۔"

اس کی آواز رندھ گئی اور آنکھوں سے آنسوؤں کا طوفان امنڈ پڑا۔

دیپک نے ہاتھ بڑھا کر ہار لے لیا۔ ایک مدت کے بعد جب اس کے ہاتھ میں ہار آیا تو ایسا لگا گویا تمام دنیا کا درد یکجا ہو کر دل میں اتر آیا ہے جیسے بے رحم وقت کے پاس اسے دینے کو اب اس سے زیادہ کچھ اور نہیں رہ گیا۔ اب اس پر جیوتی کو نئی زندگی کا بھید بھی کھل گیا کہ وہ دوبارہ کیسے جی اٹھی تھی!

ڈاکٹر پرکاش دور برآمدے میں کھڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی نمی تھی' لیکن وہ کچھ کھویا کھویا سا لگ رہا تھا' پیشانی شکن آلود تھی۔ شاید وہ کسی الجھن میں تھا' کسی گہرے راز کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ ڈاکٹر پرکاش قریب آ کر کچھ پوچھ بیٹھے' دیپک نے جیوتی کو آخری بار اور نظر بھر کر دیکھا' بڑی مایوس نظروں سے بہت پیار کے ساتھ' ناکام حسرت لئے ہوئے! کتنے سارے ارمانوں کی وہ ایک قربانی تھی' زندہ لاش تھی۔

جیوتی کانپ کر رہ گئی اور دیپک پلٹ کر آگے بڑھ گیا۔ گیٹ کھول کر باہر نکلنے میں اس نے دیر نہیں کی۔

دور تک پھیلی شام کی دھند گہری ہو کر تاریکی میں جلد سے جلد مل جانا چاہتی تھی۔ وہ اسی بل کھاتی سڑک پر سر جھکائے چل دیا جس پر ایک دن بھٹکتے بھٹکتے وہ اس بنگلے میں آ پہنچا تھا۔ اسی بنگلے میں آج اسے نئی زندگی ملی بھی تھی اور کھو بھی گئی تھی۔

اپنے بنگلے کے برآمدے میں کھڑے ہوئے ایک دوسرے کے بالکل قریب ڈاکٹر پرکاش اور جیوتی اسے جاتے دیکھتے رہے۔ دور بہت دور سڑک کے کنارے کھڑے درختوں کی گھنی چھاؤں میں وہ رینگتا رینگتا ایک سائے کی طرح کہیں گم ہو گیا۔ یہاں تک کہ شام پوری طرح ڈھل گئی۔ شام کے دھندلکے پر اندھیرے نے اپنی چادر پھیلا دی۔ تاریکی اس طرح چھا گئی کہ لان میں کھلے سفید گلاب بھی نظروں سے چھپ گئے۔

معاً زور کی بجلی کڑکی۔ بادل بھی بڑے زور سے گرجے۔ جیوتی گھبرا کر ڈاکٹر پرکاش کے اور قریب ہو گئی۔

ہواؤں کا بہاؤ تیز ہو گیا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی خوشبو فضا میں رچ بس گئی۔ آج بارش بہت تیز ہو گی جیوتی نے لرزتی آواز میں ڈاکٹر پرکاش کو مخاطب کیا۔

اس کی آواز جیسے کہیں بہت دور سے آ رہی تھی۔ اس میں اپنا پن بالکل نہیں تھا۔

"ہاں۔"

ڈاکٹر پرکاش کے ہونٹ ہلے۔ اس نے صرف ایک ہی لفظ کہنے پر اکتفا کیا کہ کہیں جیوتی کے دل کا درد پھر نہ جاگ اٹھے۔

چند لمحے بعد ڈاکٹر پرکاش نے جیوتی کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اوپر اٹھایا اور بہت پیار سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ جیوتی کے آنسو برآمدے کے اندھیرے میں بھی اب تک موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ ان آنسوؤں میں دیپک کا وقار اب بھی مسکرا رہا تھا۔

ڈاکٹر پرکاش نے بڑی نرمی کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھ دیئے۔

جیوتی کا چہرہ اب اس پھول کی مانند لگ رہا تھا جس کا منہ شبنم نے دھلایا ہو۔

ڈاکٹر پرکاش اور جیوتی دونوں ہی بے خبر رہے کہ ان دونوں کی خوشی کے لیے دیپک نے کتنی بڑی قربانی دی ہے!

"دیپک نے اپنے دل کا بھید نہیں کھولا۔"
جیوتی دھیرے سے بولی۔
"ہاں جیوتی! وہ بھی ہمارے لیے قدرت کے بہت سے رازوں میں سے ایک راز تھا۔ قدرت ہی اس مصلحت کو بہتر سمجھتی ہے کہ بندے کے لیے کونسا راز جاننا ضروری ہے' کونسا نہیں!"
ڈاکٹر پرکاش نے کہا
"آؤ چلو اندر چلیں۔ آج کی رات جتنی بھیانک ہے' کل کی صبح اتنی ہی حسین ہوگی۔"
یہ کہتے ہوئے ڈاکٹر پرکاش کے لہجے میں بڑا اعتماد اور محبت تھی۔ اس نے جیوتی کا ہاتھ تھام لیا اور اسے سنبھالتا ہوا اندر کمرے میں لے آیا۔
جیوتی کسی ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح اس کا سہارا لئے ہوئے تھی۔ اسی وقت جیسے آسمان کا کلیجہ پھٹ گیا' بجلیاں تڑپ اٹھیں اور بارش کی شکل میں اولے پڑنے لگے۔ ہر طرف طوفان سا چھا گیا۔
ہواؤں کی چیخ پکار سے سارا شہر جیسے ہل گیا۔ سڑک کی بتیاں بجھ گئیں بارش تیز تر ہوتی گئی۔
پھر جب صبح نمودار ہوئی تو آسمان صاف و شفاف تھا۔ سورج دیکھنے میں بھلا لگ رہا تھا۔ ہواؤں میں ٹھہراؤ تھا۔ سارا شہر جیسے رات بھر غم کے آنسوؤں میں دھل کر صاف ہوچکا تھا۔ ڈاکٹر پرکاش نے جیوتی سے ٹھیک ہی کہا تھا۔ اس نئے دن کی صبح واقعی بہت حسین تھی' یہ نئی صبح دیپک ہی کے ایثار و قربانی کا منہ بولتا ثبوت تھی۔

ختم شد